مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا:-

Digitized by Khilafat Library

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت اور تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی پانچ تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے، تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرون ہند تین روپے، اور بیرون ہند ساڑھے تین روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے۔ ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیل زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اردو ماہنامہ ہے۔ بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے۔ اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:-

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	پانچ روپے	تیرہ روپے	چوبیس روپے	پینتالیس روپے
نصف صفحہ	تین روپے	آٹھ روپے	چودہ روپے	پچیس روپے
ربع صفحہ	دو روپے	پانچ روپے	نو روپے	پندرہ روپے

Digitized by Khilafat Library

(ماہنامۂ اردو)

ریویو آف ریلیجنز (قادیان)

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

مترجمہ

علی محمد اجمیری

بابت ماہ شعبان ۱۳۵۷ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۸ء

جلد ۳۷ عدد ۷

Digitized by Khilafat Library

لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۳۷ | ۱۰- شعبان ۱۳۵۷ھ مطابق ۵- اکتوبر ۱۹۳۸ء | ۲

فہرست مضامین

یقینی مکالمۂ الٰہیہ کا دروازہ کھلا ہے	ص۲	چھتیس برس پیشتر کے رسالہ ریویو سے اقتباس
تردید دلائل انقطاع نبوت بعد آنحضرت صلعم	ص۳	از افاضات سیدنا امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالےٰ
بعثتِ مسیح موعودؑ کے چند نقیب	ص۱۲	"ذاکر عجمی"
لفظ رحمٰن اور رحیم میں معنوی فرق	ص۲۴	جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل پروفیسر جامعہ احمدیہ
مسٹر ایچ۔جی۔ویلز ایک مورخ کی حیثیت میں	ص۲۸	جناب صوفی عبدالقدیر صاحب بی۔اے۔ ایڈیٹر رسالہ ریویو انگریزی۔
اسلامی مجالس	ص۳۸	"ابنِ عمرؓ"

یقینی مکالمۂ الٰہیہ کا دروازہ کھلا ہے

(آج سے چھتیس برس پیشتر کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز سے):۔

ایک شخص کے مسیح موعودؑ سے اس سوال پر کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کی وحی کو از قبیل اضغاث احلام و حدیث النفس نہ سمجھا جائے؟ حضرت اقدس نے یہ جواب لکھا:۔

.......سنو! جس نے یہ کلام نازل کیا وہ کیا کہتا ہے۔ اُس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ **میں اپنی چمکار دکھاؤنگا اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اُٹھاؤنگا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔** سو ضرور ہے کہ یہ زمانہ گذر نہ جائے، اور ہم اس دنیا سے کوچ نہ کریں، جبتک خدا کے یہ تمام وعدے پورے نہ ہوں۔ جو شخص تاریکی میں پڑا ہوا ہے، اور اس سے بے خبر ہے کہ خدا کا یقینی اور قطعی کلام بھی اسکے بندوں پر نازل ہوا کرتا ہے وہ خدا کے وجود سے ہی بیخبر ہے۔ لہٰذا وہ اسی طرح تمام دنیا کو وساوس کے نیچے پامال دیکھتا ہے، اور اس کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ بجز وساوس اور اضغاث احلام اور حدیث النفس کے اور کچھ نہیں۔ اور غائت کار ظنی طور پر نہ یقینی اور قطعی طور پر الہام الٰہی کا خیال دل میں لاتا ہے۔ مگر ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ جس دل پر درحقیقت آفتاب وحی الٰہی تجلّی فرماتا ہے، اسکے ساتھ ظن اور شک کی تاریکی ہرگز نہیں رہتی۔ کیا خالص نور کے ساتھ ظلمت رہ سکتی ہے؟ پھر جس حالت میں موسیٰؑ کی ماں کو بھی یقینی الہام ہوا جسپر پورا یقین رکھ کر اس نے اپنے بچہ کو معرض ہلاکت میں ڈالدیا، اور خدا تعالیٰ کے نزدیک بجرم اقدام قتل مجرم نہ ہوئی، تو کیا یہ اُمّت اسرائیل کے خاندان کی عورتوں سے بھی گئی گذری ہے؟ اور پھر اسیطرح مریم کو بھی یقینی الہام ہوا جسپر بھروسہ کر کے اس نے قوم کی کچھ پروا نہیں کی، تو حیف ہے اس مخذول اُمّت پر جو ان عورتوں سے بھی کمتر ہے، پس اس صورت میں یہ اُمّت خیر الامم کاہے کو ہوئی بلکہ شر الامم اور اجہل الامم ہوئی۔ اسیطرح خضر جو نبی نہیں تھا، اسکو علم لدنّی دیا گیا تو کیا اگر اس کا الہام ظنی تھا یقینی نہیں تھا تو کیوں اس نے ناحق ایک بچہ کو قتل کر دیا؟ اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ الہام کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینا چاہیئے یقینی اور قطعی نہ تھا تو کیوں انہوں نے اسپر عمل کیا؟ پس جو شخص اپنی نابینائی سے میری وحی سے منکر ہے، تاہم اگر وہ مسلمان کہلاتا ہے، اور پوشیدہ دہریہ نہیں تو اسکے ایمان میں یہ بات داخل ہونی چاہیئے کہ یقینی قطعی مکالمہ الٰہیہ ہو سکتا ہے۔ اور جیسا کہ خدا تعالیٰ کی وحی یقینی پہلی اُمّتوں میں اکثر مردوں اور عورتوں کو ہوتی رہی ہے اور وہ نبی بھی نہ تھے اس اُمّت میں بھی اس یقینی اور قطعی وحی کا وجود ضروری ہے، تا یہ اُمّت بجائے افضل الامم ہونے کے اخر الامم نہ ٹھیر جائے۔ سو خدا نے آخری زمانہ میں اکمل اور اتم طور پر یہ نمونہ دکھایا +

تردید دلائل انقطاع نبوّت بعد آنحضرت صلعم

(۳)

آٹھواں اعتراض ہمارے بیان کردہ معنوں پر یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ - ۱) آج ہم نے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔

معترض کہتے ہیں کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ دین کامل ہو گیا۔ پھر کسی نبی کی کیا ضرورت ہے؟۔

جواب۔ دین کے کامل ہونے کی صورت میں بے شک ایسا نبی نہیں آسکتا، جو ختم نبوت محمدیہ نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ جو نبی اس سے آزاد ہوگا وہ کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کرنے آئے گا۔ مگر ہمارا دین چونکہ مکمل ہو چکا ہے اس لئے بلاشبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا۔ اس پر بعض (خصوصاً آجکل کے تعلیمیافتہ) لوگ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کے الفاظ پر زور دیکر کہا کرتے ہیں، کہ بے شک بغیر شریعت کے نبی آنا جائز ہو، لیکن جو نبی بھی آئے گا وہ بالضرور کوئی نعمت لیکر ہی آئے گا۔ اور اللہ تعالےٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ یعنی میں نے تم پر اپنی نعمت کو کامل کر دیا ہے۔ پس اب کوئی نبی نہیں آسکتا، خواہ وہ بلا شریعت ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ سب نعمت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری ہو گئی ہے۔ میں نے مولوی ظفر علی صاحب کے بعض لیکچروں کے خلاصے پڑھے ہیں وہ خاص طور پر اس بات پر زور دیا کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ نعمت کا مفہوم قرآن کریم میں کیا بیان ہؤا ہے۔ قرآن کریم میں جو مفہوم ہے اسی کے اتمام (پورا کرنے) کا ذکر یہاں سمجھا جائے گا۔ نعمت کا مفہوم خود اسی سورۂ مائدہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے رکوع اول میں تو آیت زیر بحث آئی ہے اور رکوع چہارم میں یہ آیت ہے:۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَاءَ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! یاد کرو اللہ کی نعمت جو اس نے تم پر کی ہے (وہ نعمت

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّ اٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ   کیا ہے) یہ کہ اس نے تمہارے اندر نبی پیدا کئے، اور تمہاری

اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○   قوم کو بادشاہ بنایا۔ اور تمہاری قوم کو وہ کچھ دیا جو اس سے پہلے دنیا

اس آیت سے ظاہر ہے کہ انبیاء کی امتوں کے لئے جس نعمت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد ظاہری اور باطنی بادشاہت ہوتی ہے یعنی حکومت اور نبوّت کا ملنا۔ پس جب نعمت نام ہے حکومت اور نبوّت کا، تو اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ میں اتمام نعمت کے یہ معنے ہونگے کہ امت محمدیہ کو حکومت اور نبوت سے حصۂ وافر ملے گا، نہ یہ کہ نبوت منقطع ہو جائے گی۔

اس پر بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ بے شک نعمت کے یہی معنے ہیں، مگر اتمام کے معنے پورا کر دینے کے ہوتے ہیں۔ پس اتمام نعمت کے یہ معنے ہونگے کہ نبوت کی جس قدر ضرورت تھی وہ دیدی گئی۔ آئندہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔

Digitized by Khilafat Library

ہمارا پہلا جواب یہ ہے۔ کہ نعمت کے معنے قرآن مجید نے صرف نبوّت نہیں کئے ہیں، بلکہ حکومت اور نبوت کئے ہیں۔ پس اگر اتمام نعمت کے یہ معنے ہیں کہ نبوّت کا انعام پورا کر دیا گیا، اور اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حکومت کا انعام بھی پورا کر دیا گیا، اور اب آئندہ مسلمانوں میں کوئی بادشاہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم نے نعمۃ اللہ کے یہ معنے کئے ہیں کہ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۤءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔ اگر اتمام نعمت نبوت کو ختم کرتی ہے تو ساتھ ہی حکومت کو بھی ختم کرتی ہے۔ اور اگر اس کے باوجود حکومت باقی رہتی ہے تو پھر نبوت بھی باقی رہتی ہے۔

اور درحقیقت یہ جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اس میں اسی امر کی طرف لطیف اشارہ تھا، کہ امت محمدیہ میں ملوکیّت اور نبوّت دونوں ظلّی ہوں گی۔ پہلے زمانوں میں بادشاہت ظلّی نہیں ہوتی تھی، اس لئے کہ بادشاہ کے لئے جن قوانین کی ضرورت ہے، وہ ان مذاہب میں موجود نہ ہوتے تھے۔ بائیبل کو دیکھ لو، اس میں شریعت کی بہت سی باتیں ہیں، لیکن بادشاہت کا کوئی قانون نہیں ہے۔ مگر قرآن کریم میں اس کے تفصیلی احکام موجود ہیں۔ میری مراد یہ نہیں ہے کہ ہر مسلمان بادشاہ ظلّی بادشاہ ہوتا ہے۔ بلکہ میری مراد اسلامی بادشاہ سے ہے، مسلمان بادشاہ سے نہیں ہے۔ اسلامی بادشاہ تو چار ہی ہوئے ہیں۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ۔ اور یہ ظلّی بادشاہ تھے یعنی وہ اپنے لئے حکومت کے اختیار خود تجویز نہ کرتے تھے، بلکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

Digitized by Khilafat Library

کی مہر کے تابع رہتے تھے ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اتمام نعمت کے معنے بھی قرآن کریم سے اوّل نبوّت دوم حکومت اور سوم تکمیل شریعت ہی ثابت ہوتے ہیں۔ پھر یہ اتمام نعمت کے الفاظ پہلے لوگوں کے لئے بھی قرآن کریم میں آئے ہیں۔ اب اگر ان کے معنے نبوت کے ختم ہونے کے ہوتے، تو پھر تو نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ سورۂ یوسف رکوع اوّل میں آیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا، تو انہوں نے جواب میں کہا

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور اسی طرح (جس طرح تم نے خواب میں دیکھا ہے) اللہ تعالیٰ تمہیں قرب بخشے گا، اور کلام الٰہی کی حقیقت سمجھائے گا۔ اور تم پر اور تمہارے بعد اور آل یعقوب پر اپنی نعمت تمام کریگا جس طرح اس نے تمہارے دو۲ دادوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ پر اپنی نعمت تمام کی۔ یقیناً تیرا رب بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس میں اتمام نعمت سے نبوّت کا اعطا ہی مراد ہے۔ اور اللہ فرماتا ہے کہ یہ اتمام نعمت اس نے یوسف علیہ السلام پر بھی کیا، اور ان کے بعد آل یعقوب علیہ السلام پر بھی کرے گا۔ اور اس سے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام پر کر چکا ہے۔ اب اگر اتمام نعمت کے معنے نبوّت کا دروازہ بند ہونے کے ہیں، تو یہ دروازہ تو حضرت یوسفؑ کے زمانہ سے بند ہو چکا ہے، پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کیونکر نبی ہو گئے۔ اور اگر ان الفاظ نے اس وقت نبوت کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ کھولا۔ تو اس وقت بھی یہ الفاظ نبوت کا دروازہ بند نہیں کریں گے، بلکہ کھولیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بھی کوئی ظہر علی تھا۔ اور اس نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق یہ الفاظ سنکر یہی نتیجہ نکالا تھا، کہ اب نبوّت کا دروازہ بند ہے۔ چنانچہ سورۂ مؤمن کے رکوع چہارم میں آتا ہے:۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ

اور ضرور تمہارے پاس اس سے پہلے یوسفؑ بھی دلائل و براہین لیکر آئے تھے۔ پس جو کچھ وہ تمہارے پاس خدا

جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ

سے لائے تھے اسکے بارہ میں تمہیں ہمیشہ شبہات ہی پڑتے رہے۔ حتّٰی کہ جب یوسفؑ فوت ہوگئے تو تمہارے ایمان کے چشمے پھوٹ پڑے اور تم نے کہا کہ (نبی تو بس یوسف ہی تھا) اب اسکے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا (اسی پر اتمام نعمت ہوگیا)۔

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ کہ اس رنگ میں اظہار محبت کرنے والے لوگ اگر اس نبی کے زمانہ اور وقت میں ہوں تو یقیناً اس کا انکار کریں۔ کیونکہ یہ جھوٹی محبت ہے۔

اب دیکھو سارے قرآن مجید میں پہلے نبیوں میں سے صرف ایک یوسف علیہ السّلام ہی ایسے نبی ہیں، جن کے متعلق فرمایا کہ انہیں بعض جھوٹی محبت کرنے والوں نے آخری نبی قرار دیا۔ اور سارے قرآن مجید میں پہلے نبیوں میں سے جس کو مخاطب کر کے یہ کہا گیا ہے کہ تم پر اتمام نعمت ہوئی ہے وہ بھی صرف حضرت یوسفؑ ہی ہیں۔ یہ اس بات کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ کے الفاظ سے ہی ان لوگوں نے بھی استدلال کیا تھا، ورنہ باقی نبیوں کے متعلق انہوں نے کیوں نہ کہا کہ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا اب اس کے بعد اور کسی کو خدا نبی نہیں بھیجے گا۔ پس اتمام نعمت کے الفاظ حضرت یوسف علیہ السّلام کی نسبت آئے ہیں، جس سے ظاہر ہے، کہ انہیں الفاظ سے دھوکہ کھا کر پہلوں نے نبوت کو بند کیا تھا، اور انہیں الفاظ سے دھوکہ کھا کر اب کچھ لوگ نبوت کو بند کر رہے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ پہلے لوگ غلطی پر تھے۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ دوسرے لوگ بھی غلطی پر ہیں۔

پھر سورۂ نحل کے گیارھویں رکوع میں صرف حکومت کا نام بھی اتمام نعمت رکھا گیا ہے چنانچہ فرمایا

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝

اور اللہ نے ہی تمہارے لئے بنائی ہیں اپنی پیدا کردہ چیزوں سے پناہ کی جگہیں۔ اور اُسنے پیدا کئے ہیں تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کے مقامات۔ اور اس نے تمہارے لئے لباس بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس بھی بنائے ہیں جو لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اتمام نعمت کرتا ہے تا تم فرمانبرداری اختیار کرو۔

Digitized by Khilafat Library

یہاں کفار مخاطب ہیں۔ اور اتمام نعمت سے مراد اس جگہ سوائے بادشاہت کے اور کچھ نہیں ہے۔
اسی طرح سورۂ بقرہ کے اٹھارھویں رکوع میں مکہ پر مسلمانوں کو حکومت ملنے پر بھی اتمام نعمت کے الفاظ آئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

اور جہاں سے تو نکلے پس پھیر اپنا منہ مسجد حرام کی طرف۔ اور تم جہاں بھی ہو پس پھیرو اپنے منہ اس کی طرف۔ تاکہ لوگوں کی تمہارے خلاف دلیل نہ ہو۔ سوائے انکے جنہوں نے انمیں سے ظلم کیا ہے۔ پس تم ان سے نہ ڈرو۔ اور مجھ سے ڈرو۔ اور اس لئے کہ تم پر میں اپنی نعمت پوری کروں۔ اور تاتم ہدایت پاؤ۔

اور سورۂ مائدہ کے دوسرے رکوع میں یہ الفاظ تکمیل شریعت کے معنوں میں آئے ہیں چنانچہ فرمایا

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تا تم شکر کرو۔

پس اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے حکومت اور نبوت میں سے حصۂ وافر مقدر کر دیا ہے۔ اور یا پھر اس کے معنے تکمیل شریعت ہونگے جیساکہ سورۂ مائدہ رکوع ۲ میں ہے۔ اور اس صورت میں اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي کے وہی معنے ہوں گے جو اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کے ہیں۔ لیکن چونکہ قرآن کریم میں تکرار نہیں ہے اس لئے پہلے معنے ہی یہاں ٹھیک ہیں۔ یعنے یہ کہ ہم نے تمہارے لئے اعلےٰ درجہ کی حکومت اور نبوت مقدر کی ہے۔

نواں اعتراض ہمارے مخالفین یہ پیش کرتے ہیں، کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جبریل نازل نہیں ہو سکتا۔

جواب - یہ ایک عام مسلمانوں کا خیال ہے۔ اور درحقیقت کسی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمان اس کے یہ معنے بیان کرتے رہے ہیں۔ کہ وحی قرآنی کے ساتھ

جبریل کا اترنا اب بند ہو گیا ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ اب جبریل اترتا ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس خیال کے متعلق کہ جبریل نہیں اُترتا صاحب رُوح المعانی تحریر فرماتے ہیں:۔

وَمَا اشْتَهَرَ اَنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَنْزِلُ اِلَى الْاَرْضِ بَعْدَ النَّبِيِّ فَهُوَ لَا اَصْلَ لَهٗ۔ (روح المعانی جلد ، ص۷۵)

اور یہ جو مشہور ہے کہ جبریل علیہ السلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین پر نہیں اُترتے اسکی کوئی اصل اور حقیقت نہیں ہے۔

Digitized by Khilafat Library

اور اس سے آگے فرماتے ہیں:۔

وَيَرُدُّهٗ خَبَرُ الطَّبْرَانِيِّ۔

طبرانی میں ایک رّوایت آئی ہے جس سے اس کی تردید ہوتی ہے

طبرانی کی جس روایت کا اس جگہ ذکر ہے وہ یہ ہے:۔

مَا اُحِبُّ اَنْ يَرْقُدَ الْجُنُبُ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ فَاِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يُّتَوَفّٰى وَمَا يَحْضُرُهٗ جِبْرِيْلُ

میں نہیں پسند کرتا کہ بے وضو کئے بغیر سوجائے۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ رُوح ایسی حالت میں قبض ہوجائے جبکہ جبریل حاضر نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مومن طہارت کی حالت میں سوتا ہے (صرف طہارت ظاہری مراد نہیں ہے بلکہ طہارت باطنی مراد ہے۔ ظاہری طہارت باطنی طہارت کی ایک علامت ہے) اس پر جبریل نازل ہوتا ہے۔ غرض اگر عدم نزول جبریل کے یہ معنے کئے جائیں کہ اب کلّیۃً نزول بند ہو گیا ہے، تو یہ ایسے معنے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ عقیدۂ مشہورہ سے مراد صرف یہ ہے کہ وحیٔ قرآنی کے ساتھ جبریل کا اترنا بند ہو گیا ہے۔ اور یہ ٹھیک ہے۔ ان معنوں کی رُو سے ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

دسواں اعتراض ہمارے بیان کردہ معنوں پر یہ کیا جاتا ہے، کہ مسلم شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت آئی ہے جس میں حضور فرماتے ہیں اِنِّیْ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ یعنی میں نبیوں میں سے سب سے آخر میں ہوں۔

جواب۔ ہم کہتے ہیں کہ آخر کے لفظ کی تشریح اسی حدیث میں خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دی ہے۔ چنانچہ پوری روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ (مسلم جلد اول باب فضل الصلوٰۃ بالمدینۃ ومکۃ)

میں نبیوں میں سے آخری ہوں۔ اور میری مسجد مسجدوں میں سے آخری ہے۔

محدثین اور شراح حدیث نے اس حدیث کے آخری ٹکڑہ یعنی وَمَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ (میری مسجد تمام مسجدوں میں سے آخری ہے) کی تشریح میں لکھا ہے، کہ اس سے مراد یہ ہے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد جو مسجدیں بنیں گی، وہ حضور علیہ السلام کی مسجد کے تابع اور اس کے نقش پر بنیں گی۔ گویا وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے پیچھے چل رہی ہوں گی۔ اور انہی معنوں میں آپ کی مسجد آخری ہے۔

اس تشریح کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حدیث کے پہلے ٹکڑے یعنی وَاِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ (میں نبیوں میں سے آخری نبی ہوں) کے معنے بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اب جو نبی بھی ہوگا وہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اور آپ کے نقش پر ہوگا۔ اور یہی ختم نبوت سے مراد ہے۔

ہم ان معترضین سے دریافت کرتے ہیں کہ جس قدر مسجدیں اب مسلمان دُنیا میں بناتے ہیں، کیا یہ مسجدیں ہیں یا نہیں؟ اگر ان کے نزدیک یہ مسجدیں ہیں، باوجودیکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ تو پھر اگر اسی رنگ میں کوئی نبی بھی آتا ہے، تو وہ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ کے الفاظ کی وجہ سے غیر نبی کیونکر بن جائے گا؟ اور جو لوگ ایسے نبی کو کذّاب ودجّال کہنے سے نہیں جھجکتے، ان کو چاہیئے کہ وہ ان سب مساجد کو بھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد بنی ہیں، نعوذ باللہ پاخانے اور بیلے کے ڈھیر کہا کریں۔ مگر ان مسجدوں کے تو غسلخانوں کے لئے بھی وہ جانیں دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، حالانکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ یعنے میری مسجد آخری ہے۔ پس اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ کی تشریح خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی بیان فرمادی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بلاغت کلام ایسی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ خود ہی اپنی مفسّر ہو جاتی ہے۔ نبوت کو بند کرنے کے لئے لوگوں نے تین لفظ پیش کئے ہیں۔ ایک خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ، دوسرا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یا لَا نُبُوَّةَ بَعْدِیْ اور تیسرا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ۔ اور ان تینوں الفاظ کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام نے حل کر دیا ہوا ہے۔ چنانچہ پہلا لفظ خاتم ہے ت کی زبر سے پڑھو یا زیر سے دونوں صورتوں میں اس کی جمع خَوَاتِم ہے۔ اس کی تشریح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حسب ذیل ارشاد سے ہوتی ہے:۔

Digitized by Khilafat Library

اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَخَوَاتِمَہٗ ‏ مجھے جوامع الکلم اور خواتم الکلم عطا کئے گئے ہیں۔

(مجمع البحار جلد اوّل صد ۳۲۹)

خواتم الکلم کے معنے شارحین نے یہ بیان کئے ہیں، کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ کَلِم جمع ہے کَلِمَۃٌ کی۔ اور کَلِمَۃٌ کے معنے لغت میں اَللَّفْظَۃُ (بولی ہوئی چیز) لکھے ہیں۔ پھر لکھا ہے۔ مَا یَنْطِقُ بِہِ الْاِنْسَانُ مُفْرَدًا کَانَ اَوْ مُرَکَّبًا یعنے جو چیز انسان بولتا ہے خواہ وہ مفرد ہو خواہ مرکب۔ پس لغت کی رُو سے اُعْطِیْتُ خَوَاتِمَ الْکَلِم کے یہ معنے ہوئے کہ انسان کے منہ سے جو کچھ نکلتا ہے اس کے آخری جملے مجھے دیئے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سب انسانوں سے آخر میں بولے ہیں۔ اور آپ کے بعد کسی انسان نے کلام نہیں کیا۔ پس اگر خاتم النبیین کے یہ معنے ہیں۔ کہ آپ سب نبیوں کے آخری ہیں۔ یعنے حضور کے بعد کوئی نبی نہیں۔ تو خواتم الکلم کے یہ معنے ہوئے کہ انسانی کلمات میں سے سب سے آخری کلمے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے، آپ کے بعد کوئی نہیں بولا۔ اور ظاہر ہے کہ خواتم الکلم کے یہ معنے کسی طرح درست نہیں ہو سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کے بھی یہ معنے نہیں ہیں۔

ہمارے مخالف علماء کہا کرتے ہیں۔ کہ خاتم النبیین میں النبیین پر الؐ استغراق کا آیا ہے، یہ کسی نبی کو نہیں آنے دیتا ہم بھی کہتے ہیں کہ خواتم الکلم میں الکلم پر الؐ آیا ہے یہ کوئی کلمہ باہر نہیں رہنے دیتا۔

Digitized by Khilafat Library

پھر ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ اس جگہ الکلم سے مراد الٰہی کلمات ہیں، سارے کلمات مراد نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ النبیین سے بھی مراد یہ ہے کہ جس قسم کے نبی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے آیا کرتے تھے، اس قسم کے اب نہیں آئیں گے۔ اور یہ مراد نہیں ہے کہ ہر قسم کی نبوت بند ہے۔

وہ الکلم کے معنے وحی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کے قائل ہیں۔ اور خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے بعد وحی کے جاری ہونے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف میں نواس بن سمعان کی حدیث میں ہے:۔

اِذْ اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی یَا عِیْسٰی اِنِّیْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّیْ لَا یَدَ لِاَحَدٍ بِقِتَالِھِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ۔ یعنے عیسٰے علیہ السلام جب دنیا میں نازل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی کرے گا کہ میں نے دنیا میں ایسی قوم نکالی ہے۔ کہ کسی کو ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ پس تو میرے بندوں کو طُور کی طرف لے جا۔[1]

[1] چونکہ یہ حدیث جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اسلئے میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ فَحَوِّلْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ سے مراد جلوہ الٰہی ہے کیونکہ طور کا مقام اسی (تجلی) کیلئے مشہور ہے۔ اسمیں اسبات کیطرف بھی اشارہ ہے کہ طور کے مقام پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگی اور فَحَوِّلْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ سے مراد اطاعت محمدیہ ہے یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت کرو یہی دشمنوں کے مقابلہ میں کام آئیگی لڑائی کی طاقت تم میں نہیں ہے۔ یہ حدیث التواء جہاد کا ثبوت بھی ہے۔ منہ

یہاں صاف طور پر آنیوالے مسیح موعود پر وحی کے نزول کا ذکر ہے۔ پس ہمارے مخالف الکلمہ کے معنے وحی نہیں کر سکتے۔

دوسرا لفظ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے بند ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے وہ بعد ہے۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اسے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود حل فرما دیا ہے۔ چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کے متعلق فرماتے ہیں

لَيْسَ بَعْدَهٗ شَيْئٌ۔　　نہیں ہے اس کے بعد کوئی چیز۔

اب اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے یہ معنے کئے جائیں کہ خدا کے وجود کے بعد کوئی اور وجود نہیں ہے، تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ ہر ایک وجود خدا کے وجود کے بعد ہی ہے۔ پس اس کے یہی معنے کئے جائیں گے کہ خدا نہ رہے اور کوئی اور چیز رہ جائے، یہ ناممکن اور غلط ہے۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ کے یہ معنے ہیں۔ کہ نبوت محمدیہ نہ رہے اور کوئی اور نبوت رہ جائے یہ ناممکن اور غلط ہے۔ گویا جس طرح خدا تعالےٰ کے وجود کے ہوتے ہوئے کسی دوسری مخلوق کا ہونا لَيْسَ بَعْدَهٗ شَيْئٌ کے خلاف نہیں ہے، اسی طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے ہوتے ہوئے کسی اور نبوت کا ہونا لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ کے خلاف نہیں ہے۔

Digitized by Khilafat Library

تیسرا لفظ جو اس ضمن میں پیش کیا جاتا ہے، وہ آخر ہے اس کے متعلق میں ابھی بتا چکا ہوں، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وَمَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ نے اسے حل کر دیا ہے۔

درحقیقت یہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ اسے قرآن کریم نے بھی حل کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ذاتِ باری کے متعلق آیا ہے:۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ (حدید - ۱)　　وہ اوّل ہے اور آخر ہے۔

اور حدیث میں اس کی تشریح یوں آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت ایک دعا پڑھتے تھے جسمیں یہ الفاظ بھی ہیں

اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ　　تو اوّل ہے پس تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے۔ اور تو آخر ہے

فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْئٌ۔　　تیرے بعد بھی کوئی چیز نہیں ہے۔

یہ روایت ابو ہریرہ سے حدیث کی پانچ کتابوں یعنی ابن ابی شیبہ، احمد، مسلم، ابن مردویہ، اور بیہقی میں آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کے معنے یہ ہیں جو ایسا نہ ہو کہ وہ نہ رہے اور کوئی اور چیز رہ جائے اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ کوئی وقت ایسا آ سکتا ... ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نہ رہے اور کوئی اور نبوت رہ جائے۔

بعثتِ مسیح موعودؑ کے چند نقیب

دُنیائے اسلام میں چند تحریکوں پر سرسری نظر

جب بارش قریب ہوتی ہے، تو دُور کی آوازیں زیادہ صفائی اور آسانی کے ساتھ سُنی جاتی ہیں۔ پرندوں کی پرواز بلندی سے نیچے کی طرف مائل ہوتی ہے۔ دھوئیں کے بادل زمین کے قریب مُعلّق نظر آنے لگتے ہیں۔ دور اُفتادہ پہاڑوں اور کوہساروں کا منظر زیادہ صاف اور مرئی ہونے لگتا ہے۔ مینڈکوں کے ٹرانے کی آواز حسب معمول سے زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔ زاغ و زغن پہلے سے زیادہ شور و غل مچاتے لگتے ہیں مچھلیاں رقص کرتی ہوئی پانی سے باہر نکل آتی ہیں۔ مکھیاں سُست اور کج پرواز ہو جاتی ہیں۔ پُرانے زخم اور مفاصل کے درد تیز اور ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں۔

Digitized by Khilafat Library

طبعی دُنیا میں نزولِ بارش کے وقت یہ تغیّرات رونما ہوتے ہیں۔ عالم رُوحانیات میں فضل ربّانی کی بارش، جس کو شرعی اصطلاح میں وحی والہام کہتے ہیں، اس کے نزول کے وقت بھی قلوب کی دُنیا میں ایک فوق العادت تبدیلی ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہ تغیّر تحت الشعور میں پیدا ہوتا ہے۔ اور تدریجًا زندگی کے ہر شعبے میں اس کے علامات و آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ نبی کی بعثت مادی اور رُوحانی دُنیا میں ایسا سانحۂ عظیم ہے جس کی پیشوائی کے لئے ارض و سما جولانگاہِ خیر و شر بن جاتے ہیں۔ پُرانی سستی اور کسل غائب ہو جاتا ہے۔ اور نظام عالم پر کرب اور بے چینی چھا جاتی ہیں۔ اہرمن اور یزدان کی جنگ شدید ہو جاتی ہے۔ ایمانی قوتوں میں بالیدگی اور صلابت پیدا ہونے لگتی ہے۔ اور اسی طرح کفر کی افواج بھی سنبھالا لیتی ہیں۔ جب خدا کا مامور میدانِ کردار و عمل میں آتا ہے تو معرکۂ کفر و ایمان پورے زوروں پر ہوتا ہے۔ جو اہلِ بصیرت ہوتے ہیں، وہ انہی مبشرو علامات و آثار سے اندازہ لگا لیتے ہیں، کہ کوئی عظیم الشان سانحہ قریب الوقوع ہے۔ اور صیقل گر ازل زنگ آلود قلوب کے لئے اپنی وحی کی تیغ فساں نازل کرنے والا ہے۔ تاکہ صدیوں کی سُستی اور سہل انگاری کے گرد و غبار کے بادل دُور ہوں۔ اور ہر سلیم اور منیب قلب ایک جلا پائے۔ اور جو جو ہر قابل سے بیگانہ و محروم ہوں وہ گھِس پِس کر کُشتِ مرادیں کھاد کا کام دیں۔

ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک یہی کلّیہ کارفرما رہا ہے۔ ہر نبی کی بعثت سے پہلے بعض واقعات کا تسلسل شروع ہوجاتا ہے۔ جو آسمانی آمد کے لئے نقیب کا کام دیتے ہیں۔ یہی حالات حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت سے پہلے دنیا میں رُونما ہوئے۔ ماقبل بعثت کے زمانہ کا طغیان وعصیان کسی آسمانی پیام کا متقاضی تھا۔ ایک ایسا حیات سوز حبس تھا جو کسی بڑی بارش کا پیش خیمہ تھا۔ دنیائے دل سے "العطش العطش" کی زہرہ گداز آوازیں پیہم آرہی تھیں، عقائد کے لق ودق میدان میں کہیں بھی زندگی باقی نہ تھی، ہر جگہ سراب کا ہوشربا منظر لاکھوں نفوس کو موت کے گھاٹ اتار رہا تھا۔ الغرض دنیا کی حالت اور کیفیت زبانِ شاعر میں یہ تھی ؎

Digitized by Khilafat Library

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب کوئی آبلہ پا اس وادئ پُرخار میں آوے

ماقبل بعثت کے زمانے کے تمام پہلوؤں کو اس مضمون میں سُما کر کرنا کوزے میں دریا بند کرنے کے مرادف ہے۔ میں کوشش کرونگا کہ انیسویں صدی میں دنیائے اسلام کی بعض تحریکوں کا ذکر کروں۔ جو عملی اور نظری اعتبار سے کسی زیادہ عظیم الشان واقعہ کی خبر دے رہی تھیں۔

عالم اسلام پر ایک طویل عرصے سے جمود وسکوت کی حالت طاری تھی۔ مسلمان رُوحِ اسلام سے محروم ومہجور ہو چکے تھے۔ روحانیت معلّق بالثریا ہو چکی تھی۔ سیاسی لحاظ سے بھی مسلمان ایک صیدِ زبوں کی حالت میں تھے تشتت وانتشار نے اہلِ مغرب کو تمام بلادِ اسلام پر مسلّط کر دیا تھا۔ مسکنت وادبار تو تھا ہی، اس پر طُرّہ یہ کہ مسلمانوں کے دل سے احساسِ زیاں مٹ گیا تھا۔ قسطنطنیہ جو سیاسیاتِ مشرق ادنٰے کا مرکز ومحور تھا، اب اغیار کی روباہ مزاجیوں اور اندرونی خلفشار سے عضوِ معطل ہو گیا تھا۔ اگر بساطِ سیاست وتمدن میں اہل یورپ کی شاطرانہ چالیں مسلمانوں کو مات دے رہی تھیں، تو اخلاق میں بُعتانِ مغرب نے بے مثال بربادی کا منظر پیدا کر رکھا تھا۔ جب نبوت کی بارش کا زمانہ قریب آیا تو اکنافِ عالم میں کرب پیدا ہو گیا۔ جہاں کلیسائی استبداد شدید ہو گیا۔ وہاں مسلمانانِ عالم میں حرکت عمل پیدا ہونے لگی۔ ان میں احساسِ زیاں پیدا ہوا۔ ان کو تنظیم واتحاد کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ ان کو محسوس ہونے لگا کہ ان کی پستی اور نکبت ترکِ شریعتِ بیضاء کا نتیجہ ہے۔ بجائے پُرجلال اور فاتح شریعت کی تتبع کے وہ دینِ گوسفندی کے تابع ہو چکے ہیں۔ بجائے آسمان کی طرف دیکھنے کے ان کی نظریں انسانوں کی طرف اٹھتی ہیں۔ احساس کی یہ صبحِ کاذب نبوت کے نیّرِ اعظم کے طلوع کی خبر دے رہی تھی۔ اسی دور میں بعض تحریکیں

پیدا ہوئیں۔ جن سے مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ بیداری پیدا ہوتی چلی گئی۔ یہ ہاتف کی آواز تھی تاکہ مسلمان خوابِ خرگوش سے اٹھیں۔ اور جب خدا کا فرستادہ ان کے درمیان آئے تو وہ سِنَۃٌ وَلَا نَوْم کی حالت میں نہ ہوں۔ کیونکہ خدا کو منظور تھا کہ محمدی مسیح کی آمد سے پہلے قلوب میں کلیہ رانی ہو جائے۔ اور وہ آن کر تخم ریزی کرے۔ روحانی اعتبار سے تو حضرت سید احمد بریلوی کو "ارہاص" کا درجہ حاصل ہے۔ مگر ان کے دعوائے مجددیت اور حضرت اسمٰعیل شہید کی شہادت کے علاوہ اور بھی ایسی تحریکیں ہیں، جو حضرت مسیح موعودؑ کی پیشوائی کے لئے خدا نے عالم اسلام میں پیدا کیں۔ یہ بیرون سے نہیں بلکہ خود باطن سے پیدا ہوئیں۔ تاکہ استواری اور سنّورنے کا اندازہ ہو سکے۔ Digitized by Khilafat Library

نئے عنصر نہیں آتے چمن میں گُل کھلانے کو
یہی ذرّے ابھرتے ہیں یہی مٹی سنورتی ہے

خدا یَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ کے فعل پر بھی قادر ہے۔ لیکن یہ عمل اسی وقت صادر ہوتا ہے جب کسی قوم کے افراد خود اپنے آپ کو قوّتِ عمل سے محروم کرلیں۔ ورنہ سنّتِ قدیم یہی ہے کہ گری ہوئی قوم میں اٹھنے کا جوہر پیدا کیا جاتا ہے۔ اور جو سنورنے اور ابھرنے کے قابل ہوتے ہیں، وہ صورِ ربّانی کی آواز پر سب قسم کی سُستی کو چھوڑ کر میدانِ عمل میں اُتر پڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امّتِ مرحومہ میں مختلف ممالک میں ایسے افراد پیدا ہوئے جو جوشِ کردار، جذبۂ ایثار اور ہنگامِ عمل میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے آرام و آسائش پر لات مار کر تجدیدِ دین اور احیاءِ ملت کے لئے وہ درخشندہ قربانیاں کیں جو جریدۂ عالم پر ہمیشہ ثبت رہیں گی۔ لیکن یہ تمام کارہائے نمایاں، یہ سارے ولولے جو سینوں میں اُبل رہے تھے کسی آنیوالی صبحِ امید کی اولین کرن تھے۔ جب شاہ خاور رافقِ مشرق سے مشہود ہوتا ہے تو آسمان پر سینکڑوں تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ ظلمت کی صف لپیٹی جاتی ہے۔ چاند اور ستارے ماند پڑنے شروع ہوتے ہیں۔ یہی حال نبی کی بعثت سے پہلے ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ تمام جلیل المرتبت افراد جو احیاءِ اسلام کے لئے میدان میں سربکف اُترے، اور جنہوں نے انسانی اخوت کی کھیتی کو اپنے خونوں سے سینچا، وہ سب آفتابِ نبوت کے آگے ماہ و انجم سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے۔ ان کی قربانیوں اور جہادِ عمل کو دُنیائے اسلام میں وہی حیثیت حاصل تھی جو شبِ تار میں چاند اور ستاروں کو ہوتی ہے۔ جیسے چاند اور ستارے اپنی ضوء سے ظلمتِ شب کے حریف نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ان رجالِ عظام کی مساعیٔ جلیلہ کفر کے سیلاب کا کماحقہٗ مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ باطل کا کامل فرار اسی وقت ہونا تھا جب موعود نبی نازل ہوتا۔

اگر اسلام کی تعلیم اور اس کے پیام کو بنظرِ امعان دیکھا جائے۔ تو یہ حقیقت فوراً روشن ہوجائیگی کہ اسلام کا مقصد وحید انسانوں میں اخوت پیدا کرنا، اور ان کو اس عروۃ الوثقیٰ سے باندھنا ہے، جو انفصام کے خطرے سے محفوظ ہے۔ یہ وہ بے مثال تخیّل ہے جس سے رُوح رقص کرتی ہے، اور فلسفہ اور منطق عرق خجالت میں ڈوب جاتے ہیں۔ یہی وہ عہد الست تھا جس کی تکمیل رسول عربیؐ کے ہاتھوں ہوئی۔ اور شریعتِ بیضاء کی صورت میں پھر بنی نوع انسان رحیں نے "بلیٰ" کہکر اس ذمہ واری کو اٹھایا تھا، کے سامنے پیش ہوُا۔ جب یہ پھر حرفِ نسیاں ہوگیا، تو ضرور تھا کہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے کیلئے خدا کا فرستادہ دُنیا میں آئے۔ لیکن اس کی بعثت سے قبل سنّت قدیمہ کے مطابق اس تخیّل کے احیاء کے لئے دنیائے اسلام میں کشمکش شروع ہوگئی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں عالم اسلام پر مُردنی اور بے حسی چھائی ہوئی تھی۔ دین محض قشر کی صُورت رہ گیا تھا۔ اس کا مغز بالکل مفقود تھا۔ سیاسیات میں مغرب نے غلبہ حاصل کرلیا تھا۔ سیارت میں پہلی جنبش حیات جو ظاہر ہوئی وہ عبدالوہاب کے شاگرد سعود کی لشکر کشی تھی۔ یہ ایک مخلصانہ سعی تھی کہ اغیار کے اثر کو مٹایا جائے۔ اور اسلام اور محض اسلام کے احکام کو نافذ کیا جائے۔ مگر بدقسمتی سے یہ کوشش ناکام رہی۔ تمام اسلامی ممالک ایک ایک کرکے مغربی سلطنتوں کے زیر اثر ہوتے چلے گئے۔ ترکی کا مریض ناتواں چراغ سحری ہورہا تھا۔ اس کا پنجۂ اقتدار ڈھیلا ہوچکا تھا۔ الجیریا پر فرانس قابض ہوگیا تھا۔ کاکیشیا روس کے زیر نگین تھا۔ ہندوستان جو مسلمانوں کے سواد اعظم کا مسکن ہے، وہ بھی انگریزوں کے ہاتھوں میں آگیا تھا۔ الغرض ہر طرف مغرب کا دیوِ استبداد سایہ افگن تھا۔ الجیریا میں عبدالقادر نے قوم میں بیداری پیدا کی۔ مگر اس کی مساعی ناکام رہیں۔ تاہم اس کا وجود اس کا ثبوت تھا کہ الجیریا کے مسلمان اپنے اندر حیات کے آثار پیدا کررہے ہیں۔ کاکیشیا میں شامل کی تحریک آزادی خراج تحسین وصول کررہی تھی۔ لیکن وہ اتنی غیر منظم تھی کہ بار آور نہ ہوسکی۔ اور روسی تسلّط کو خاص ضعف محسوس نہ ہوُا۔ لیکن معًا مغرب کے خلاف نفرت نے ایک طوفانی صورت اختیار کرلی الجیریا میں بغاوت ہوئی۔ سوڈان میں ایک شخص پیدا ہوُا جس نے مہدی کا دعوےٰ کیا۔ اور اس نے انگریزوں کو بے حد پریشان کیا۔ وسط ایشیا میں نقشبندی اخوت نے جنم لیا۔ اور روسی اقتدار کے لئے تہدید آمیز صورت اختیار کرلی۔ یہ سب واقعات انیسویں صدی کے اوائل کے ہیں۔

انگریز مصنف Lothrop Stoddard اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے۔ کہ یہ سب

تحریکیں مہدی کی آمد کے عقیدے سے پیدا ہو رہی تھیں۔ یہ عقیدہ کہ چودھویں صدی میں دین کو زندہ کرنے والا پیدا ہوگا، مسلمانوں کو بیدار کر رہا تھا۔ جو لوگ اس عقیدے کو مجوسی تخیل تصوّر کرتے ہیں، ان کے لئے یہ بات سبق آموز ہوگی کہ محض اس عقیدے کی برکت سے مسلمانوں میں کتنی بیداری پیدا ہو رہی تھی۔ اگر یہ عقیدہ خارجی اثرات کے ماتحت جمہور اسلام میں نفوذ کر گیا تھا، تو اس کو وہ قوت و اثر حاصل نہ ہوتا جس کے کرشمے ہر جگہ بروئے کار آ رہے تھے۔ دراصل یہ ان مواعید ربّانی کا پیدا کردہ تھا جو احادیث اور قرآن کریم میں مرقوم ہیں۔ چونکہ ان پیشگوئیوں کے ایفاء کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اس لئے ہر جگہ مسلمان اپنے نجات دہندہ کے لئے گوش بر آواز تھے۔ اور جہاں کہیں سے اتّحاد ملی کی تحریک اٹھتی، اس پر بعثتِ مہدی کا گمان ہوتا۔ اور اس پر مسلمان اپنی جانیں چھڑکنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ یہ مَیں پہلے کہہ آیا ہوں کہ صبح صادق سے پہلے صبح کاذب بھی ہوتی ہے۔ اور سادہ لوح اکثر دھوکے میں پڑ جاتے ہیں۔

انیسویں صدی کے وسط میں بعض منظم کوششیں ہوئیں جو قابل ذکر ہیں۔ ایک سنوسی اداروں کی تاسیس اور توسیع، اور دوسری پان اسلامک تحریک۔ مؤخر الذکر تحریک کی تخلیق میں بہت سے مفکرین کا ہاتھ تھا۔ مگر اس تحریک کا قاعد اعظم سید جمال الدین افغانی تھے۔ اگر تاریخ اسلام پر ایک گہری نظر ڈالی جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ بعض علاقوں میں مقامی حیثیت کے ادارے قائم ہوتے رہے۔ اس سے وہاں کے مسلمانوں کو ایک سلک میں منسلک کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ان اداروں کے نظم و نسق کا [illegible] زاویہ کہلاتا تھا۔ زاویہ کا افسر مقدم۔ اور اس زاویہ کے وابستگان سب مل کر اخوان کہلاتے تھے۔ لیکن ان زاویوں کے نظام کو زیادہ مؤثر شکل میں سیّد محمد بن سنوسی نے پیش کیا۔ یہ شخص ۱۸۰۰ء میں پیدا ہؤا۔ اس نے فیض [illegible] کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ فارغ التحصیل ہو کر مکّے حج کرنے گئے۔ وہاں وہابی تحریک زوروں پر تھی۔ اس سے بہت متاثر ہوئے۔ اور اپنے علاقے یعنی طرابلس میں تنظیم کا خیال پیدا ہؤا۔ چنانچہ ۱۸۴۳ء میں زاویۂ بیضاء کی تاسیس کی۔ اس تحریک کو برق آسا ترقی نصیب ہوئی۔ جوق در جوق لوگ اس سے وابستہ ہونے لگے۔ اس نے اتنی قوت اور وسعت اختیار کر لی کہ عثمانی حکومت کو اس سے خوف پیدا ہؤا۔ چونکہ قسطنطنیہ میں ضعف کے آثار پیدا ہو چکے تھے، اس واسطے ہر تحریک میں ارباب حل و عقد کو خطرے کی بُو آتی تھی۔ اور واحد علاج یہی ہوتا تھا کہ اس کو دبا دیا جائے۔ چونکہ سنوسی بانی تحریک حکومت سے متصادم نہیں ہونا چاہتے تھے۔ اس واسطے انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ مرکز

کو کسی دور اُفتادہ مقام میں منتقل کر دیا جائے، جہاں ارباب نظم ونسق کی نیم بیدار آنکھ میں ان کی تحریک کا خار نہ کھٹکے، اور وہ بے خوف وخطر اپنے کام کو جاری رکھ سکیں۔ یہ مصلحت کوشی تحریک سنوسی کے لئے بیحد مفید ثابت ہُوئی۔ چنانچہ مرکز جاربوب کے نخلستان میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۸۵۹ء میں سیّد محمد بن سنوسی نے وفات پائی۔ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے اپنے دو بیٹوں کی صلاحیت کار کی آزمائش کی جس میں ان کا چھوٹا بیٹا المہدی کامیاب رہا۔ اس واسطے حق وراثت اُس کو تفویض ہوا۔

سنوسی المہدی نے پھر بعض مصالح کی بناء پر مرکز جوف میں تبدیل کر دیا۔ کام بدستور چلتا رہا لیکن مرکز قانون کی دستبرد سے بہت دور ہٹ گیا۔ صرف ایک مغربی سیاح Dr. Nachtigal کو ایک دفعہ دیکھنے کا موقعہ ملا۔ جوف لیبیا کے صحرا کے وسط میں واقع ہے۔ باوجود عملی تصادم سے احتراز کے حکومت کو خوف رہا سنوسی تحریک کے منتظمین اور ترکوں کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے۔

اس تحریک کے متعلق مختصراً اتنا کہنا ضروری ہے۔ کہ یہ مقامی طور پر اخوّت پیدا کرنے کے لئے معرض وجود میں آئی۔ اس کی رکنیّت ہر مسلمان کے لئے کھلی تھی۔ رُکن بننے کے بعد اس کے قوانین پر عملدرآمد کرنا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ ہر رکن کسی نہ کسی زاویہ سے وابستہ ہوتا تھا اور اس زاویہ کے افسر اعلےٰ مقدم کا حکم واجب الاحترام سمجھا جاتا تھا۔ کسی کو سرتابی کی جرأت نہ تھی۔ جو اس کا مرتکب ہوتا، اس کو رکنیت سے خارج کر دیا جاتا۔ اسلامی عصبیت پیدا کی جاتی تھی۔ تاکہ مغربیت اثر انداز نہ ہوسکے، اور کلیسائی مبلغ مسلمانوں کو گمراہ نہ کرسکیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ کلیسائی منّاد افریقہ پر چھائے ہوئے تھے۔ چونکہ عیسائی حکومتیں ان کی پشت وپناہ تھیں، اس واسطے علاوہ تبلیغ کے سیم وزر کا سیلاب بہا دیا جاتا۔ تاکہ ضعیف لوگوں کے ایمان کی ناؤ اس میں غرق ہوجائے۔ یہ یورش کامیاب ہورہی تھی۔ اگر سنوسی تحریک یا اس کے مشابہ اور نظام معرض وجود میں نہ آتا، تو شمالی افریقہ کے مسلمان عیسائیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ لیکن اس تحریک کی افادیت مقامی اور محض مقامی تھی۔ باقی دنیائے اسلام اس سے مستفید نہ ہوسکتی تھی۔

تاتاری دنیائے اسلام میں سقوط بغداد کے ذریعہ متعارف ہوئے۔ ان کی یورش مرگ بے ہنگام کی طرح وقوع میں آئی۔ لیکن یہ خون آشام تنکاری خود اسلام کے دام تنویر میں گرفتار ہو گئے۔ اور مدّت مدید تک مکّے کے پاسبان بنے رہے۔ لیکن امتداد زمانہ سے ان میں انحطاط آگیا۔ یہ بھی اسلام کی روح سے محروم ہوگئے۔ مگر انیسویں صدی میں ان میں مذہبی بیداری پیدا ہوئی۔ صدی کی سوئی قوم نے کروٹ لی۔ یہ حسی

اور جمود کے زمانے میں عیسائیت نے ایک حصّے کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا تھا۔ لیکن جب غفلت کا طلسم ٹوٹا۔ تو اپنے کھوئے ہوئے بھائیوں کو واپس لانے کا خیال پیدا ہؤا۔ اگرچہ رُوس کی حکومت نے جس کے قوانین کلیسائی تعصب کے آئینہ دار تھے۔ تبلیغ میں شدید مزاحمت کی۔ مگر یہ نوزائیدہ جوش قانونی اور تعزیری روکوں پر غالب آگیا۔ نہ صرف قوم میں اسلامی عصبیت بڑے زوروں سے پیدا ہوتی گئی۔ بلکہ وُہ حصّہ جو عیسائی ہو چکا تھا، ان کو واپس اسلام میں لایا گیا۔ ترکستان اور فن لینڈ میں بھی تبلیغ ہونے لگی۔

چین مشرق کے ان ممالک میں سے ہے جو اوائل ہی میں مشرف بااسلام ہو گیا تھا۔ چین میں اسلام کی تبلیغ عربی تجار سے ہوئی۔ فوجی سپاہیوں نے بھی جن کی یلغار کا دامن اقصائے عالم تک پھیلا ہؤا تھا، تبلیغ میں قابل قدر حصّہ لیا۔ قبول اسلام کے بعد چینی مسلمان دوسروں سے خلط ملط ہوتے رہے۔ مگر انہوں نے اپنے مذہبی امتیاز کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ چینی مسلمان زیادہ تر جنوبی چین اور ترکستان میں آباد ہیں جب انیسویں صدی کا آغاز ہؤا، تو ان میں نومولود جوش اسلامی کے آثار ہویدا تھے، یہ بھی صبح امید کے لئے دیدہ براہ تھے۔ جب مذہبی غیرت بیدار ہوئی، تو سیاسی قیود جو اسلام کے منافی تھیں اُن کے توڑنے کے لئے تحریکیں پیدا ہوئیں۔ ترکستان میں ایک ایسی تحریک شروع ہوئی۔ اس کا مؤسس یعقوب نامی ایک مسلمان تھا۔ وہ اتنی جاذب اور دلفریب شخصیت کا مالک تھا کہ اس نے تھوڑے عرصے میں ایک کثیر حصّے کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا۔ اپنی طاقت کو مجتمع کرنے کے بعد اس نے بغاوت کی اور چینی یونان اور ترکستان میں مسلمانوں کے لئے آزادی حاصل کر لی۔ اس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے چین اور اہل یورپ دونوں خائف تھے۔ حکومتِ وقت کی ریشہ دوانیوں سے بانیانِ تحریک میں پھوٹ پڑ گئی۔ اس ناچاقی اور پھوٹ سے ضعف پیدا ہو گیا۔ مسلمان دیر تک آزادی اور حُرّیت سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے۔ اُن سے آزادی چھین لی گئی۔ اور ان کی طاقت کو منتشر کر دیا گیا۔ اگرچہ تحریک آزادی دب گئی۔ مگر اس کا منبع خشک نہ ہؤا۔ یعنی اسلامی غیرت بدستور موجود تھی۔ کم از کم عیسائیوں کی تبلیغی یورشیں بند ہو گئیں۔ مسلمانوں کی تعداد اس وقت چینی یونان اور ترکستان میں ۱۰،۰۰۰،۰۰۰ ہے۔

انیسویں صدی میں ایک اور بہت بڑی تحریک پیدا ہوئی۔ جس نے یورپ کو سراسیمہ کر دیا۔ اگرچہ وہ اب تقریباً مٹ چکی ہے، تاہم اُس کی بازگشت اب بھی ساکنانِ یورپ اور ہندوستان میں ہندوؤں کے کانوں میں آتی رہتی ہے۔ اس تحریک سے میری مراد "پان اسلازم" ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان

چاہے وہ دُنیا کے کسی حصّے میں ہوں آپس میں ایک مضبوط زنجیرِ اخوت میں بندھے ہُوئے ہوں۔ ان کا نصب العین ایک ہے، ان کا طریقہ کار ایک ہے۔ وہ سب دارالسلام میں آباد ہیں۔ جغرافیائی حدود اسلامی اخوت کے تخیّل کو برباد نہیں کر سکتیں۔ ٹمبکٹو کا رہنے والا مسلمان اپنے عیسائی پڑوسی کی نسبت ہانگ کانگ کے رہنے والے مسلمان کے بہت قریب ہے۔ اسلام ایک ایسا ائتلافِ ذہنی پیدا کرتا ہے جس کے آگے زمان و مکان گرد محض ہیں۔ عناصر کا بے پناہ عمل بھی اس کے آگے ہیچ ہے۔ نسلی تفاوت کو اسلام میں کوئی دخل نہیں۔ الغرض پان اسلام ازم کی تحریک کی اساس اسلامی اخوت کے نظریّہ پر تھی۔

اس تحریک کو منصۂ شہود پر لانے والا شخص سید جمال الدین افغانی تھا۔ وہ اُنیسویں صدی کے اوائل میں پیدا ہوُا۔ اس کی جائے ولادت اسد آباد ہمدان کے قریب ہے۔ صحیح سنِ ولادت کی تعیین نہیں ہوسکی۔ اگرچہ ہمدان ایران کے ماتحت تھا۔ مگر وہ فارسی نژاد نہ تھا بلکہ افغان نسل سے تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے حالات ہنوز نامعلوم ہیں۔ وہ شہابِ ثاقب کی طرح میدانِ عمل میں آیا۔ خدا نے اس کو برقی قوت و طاقت ودیعت کی تھی۔ اس نے خلّاق طبیعت پائی تھی۔ اسلام کے انحطاط کو دیکھکر اس کو سخت دُکھ ہوُا۔ اس کو اس کا ایک ہی علاج سوجھا۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو مغربیّت کے حیات سوز اثرات سے محفوظ کیا جائے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے اس نے اسلامی برادری کے فلسفے کو فروغ دینا شروع کیا۔ اس کی آواز اور کردار میں ایک مقناطیسی اثر تھا۔ لوگ کھچے چلے آئے۔ اور دنیائے اسلام میں ایک حرکت نمودار ہوئی۔ سنوسی تحریک مقامی اور محدود تھی۔ مگر سیّد جمال الدین نے اپنی تحریک کو کسی خاص مُلک کی حدود کے اندر مقید کرنا اپنے مطمحِ نظر کی رُوح کے منافی سمجھا۔ اس لئے وہ ہر وقت پابرکاب رہتا۔ اس نے تمام عالمِ اسلام کا سفر کیا۔ اور اپنے خیالات کی خوب اشاعت کی۔ ہر جگہ اس کا خیر مقدم ہوُا۔ مسلمان بادشاہ بھی اس کی طرف مائل ہو گئے۔

سیّد جمال الدین افغانی کی تحریک کا ہدف مغربیت تھی۔ اس لئے اہلِ مغرب اس کی اعجاز پیکر شخصیت کو بلائے عظیم تصوّر کرتے تھے۔ وہ ۱۸۸۰ء میں مصر گیا۔ اس وقت عربی پاشا کی سیاسی تحریک زوروں پر تھی۔ اپنی تقاریر اور مشوروں سے اس کو ہوا دی۔ برطانیہ نے مصر پر تسلّط حاصل کر لیا۔ یہ ۱۸۸۲ء میں ہوُا۔ اس کو مصر سے نکال دیا گیا۔ وہ سیماب پا انسان اس اخراج سے افسردہ نہ ہوُا۔ اُس کی عقابی آنکھ نے قسطنطنیہ کو تاکا۔ وہاں جا کر سلطان عبدالحمید سے راہ و رسم پیدا کی۔ سلطان اس کے عزائم سے متاثر ہوُا

چونکہ اس کی اپنی تجاویز اس نوع کی تھیں۔ اس نے سید جمال الدین کی رفاقت کو غنیمت خیال کیا۔ اور اس نے اس کو پروپیگنڈے کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا۔ سیاسی حالات وسیع اور عمیق پروپیگنڈا کے متقاضی تھے۔ کوئی علانیہ اقدام خلافِ مصلحت تھا۔ مغربی اقوام نے ہر جگہ اپنے قدم جمائے ہوئے تھے۔ ان کے خلاف جذبۂ تنفر کو بھڑکانے اور اُن کی گرفت کو ڈھیلا کرنے کا واحد ذریعہ یہ تھا، کہ مسلمانوں میں خود مختاری کی رُوح پیدا کی جائے۔ ان کو مغربی استیلاء اور مغربی دولِ عظمیٰ کی استعماری پالیسی سے جو نقصان ہو رہا تھا، ان پر انکشاف کیا جائے۔

یہ تمام حالات وکیفیات اس تحریک کی موجب ہوئیں، جو پان اسلامزم کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے اساسی بواعث مندرجہ ذیل تھے۔

Digitized by Khilafat Library

(۱) یورپ مشرق کو عموماً اور اسلامی سلطنتوں کو خصوصاً مغلوب کر کے ان کے تمدن و حضارت کو فنا کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کو اس خطرے سے محفوظ کیا جائے۔

(۲) مغرب میں کلیسا کو اقتدار حاصل ہے۔ شاہی پالیسی بھی اسی کے مشوروں کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ پطرس راہب کی رُوح کلیسا میں کارفرما ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ بین الاقوامی قوانین میں اسلامی سلطنتوں کے وجود کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اور ایسے ایسے قانون تراشے جاتے ہیں، جو براہِ راست قلب اسلام پر زد مارتے ہیں۔ ایسے قوانین کا مقابلہ کیا جائے۔

(۳) ہر جگہ مسلمانوں کو نا اہل اور پسماندہ قوم گردان کر ان پر مغربی ملوکیت کا جُوا ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان کی ابھارنے والی روایات اور ان کی ثقافت اور تہذیب کو مجروح کرنے کے لئے گوناگوں تراکیب عمل میں لائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اہلِ یورپ کو اس بات کا گہرا احساس ہے کہ جب تک اسلامی تہذیب میں ذرا سی سکت بھی باقی ہے، مسلمان قوم کے اُبھرنے کا امکان ہے۔ جس تہذیب نے اعراب کو دنیا و دین کی قیادت بخشی، وہ آج بھی وہی اعجاز برپا کر سکتی ہے۔ اس کو ناپید کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ مسلمان قوم کو سیاسی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جائے۔ رفتہ رفتہ وُہ آبائی وقار سے عاری ہو جائیں گے۔ اور غلامی سے خوگر ہو کر نشأۃ ثانیہ کے خواب دیکھنے چھوڑ دیں گے۔

(۴) یورپ کا ضابطہ اخلاق مختلف ہے۔ جس چیز کو اپنے لئے زہر خیال کرتا ہے۔ اس کو دُوسروں کے لئے تریاق سمجھتا ہے۔ اگر مشرق میں قومی عصبیت ہو، تو اس کو بیجا تعصّب کے لفظ سے موسوم کرتا ہے۔

جب اُسی جذبے کا یورپ میں اظہار ہوتا ہے، تو اس کے لئے عمدہ اصطلاح تلاش کی جاتی ہے۔ اس کو وقارِ قومی کے احساس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہی احساس مغرب میں عین رُوحِ تہذیب متصوّر ہوتا ہے۔ مگر مشرق میں اس کو پیکار جوئی اور وحشیانہ روش کہکر دبایا جاتا ہے۔ اور ہر ظلم روا رکھا جاتا ہے۔

(۵) چونکہ مشرق میں ہر جگہ یورپی اقوام کا تسلط تجارت کے ذریعہ ہؤا۔ اس واسطے ضروری ہے کہ ان کی اقتصادی پالیسی کا مقابلہ کیا جائے۔ ان کی تجارت گاہوں کو بند کیا جائے۔ اور مغربی سرمائے کو ملک سے نکالا جائے۔

Digitized by Khilafat Library

یہ پانچ تحریکیں پان اسلامزم کی محرکات اور اغراض ہیں۔

ترکوں میں بھی انیسویں صدی میں ایک شخص پیدا ہؤا۔ اس کا نام عالی پاشا تھا۔ یہ ترک شرفا میں سے تھا۔ اس نے بھی مغربیّت کی رَو کو روکنے کی پوری پوری کوشش کی۔ جنگِ کریمیا کے بعد اس کے مکان پر پان اسلامک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اور پان اسلامی رنگ کی تجاویز پاس ہوئیں۔

مَیں اوپر ذکر کر آیا ہوں کہ سلطان عبدالحمید کی رفاقت سے سید جمال الدین افغانی نے پان اسلامزم کو فروغ دیا۔ دونوں کی شخصیّت نے اس تحریک کو تقویت بخشی۔ مگر سلطان کے عزائم خود غرضانہ تھے۔ وُہ خلافت کا چولا پہنکر دنیائے اسلام میں رُوشناس ہونا چاہتا تھا۔ اس کو یورپ کے خلاف سخت نفرت تھی۔ اس کو خیال ہؤا کہ جمہورِ اسلام خلافت کے نام پر ہی متحد ہو سکتے ہیں۔ وہ چاہتا تھا، کہ ماضی کی درخشندہ روایات اس کی شخصیّت سے تازہ ہوں۔ وہ عرب و عجم میں مسلمانوں کا واحد زعیم ہو۔ چونکہ اور کوئی لقب و خطاب مسلمانوں کی توجہ کو جذب نہ کرسکتا تھا، اس واسطے قبائے خلافت زیب تن کرنے کا خیال اس کے دماغ میں سمایا ہؤا تھا۔ وہ سنہ ۱۸۷۶ء میں تخت نشین ہؤا۔ اسی وقت سے اس پر یہ دُھن سوار تھی۔ جمال الدین کی صحبت سے اس کو اور تقویت پہونچی۔ ابھی یہ دونوں مل کر تجاویز سوچ ہی رہے تھے۔ کہ سنہ ۱۸۸۱ء میں فرانسیسی اخبار نویس گیبریئیل چارلس نے اس صورتِ حال کا کھوج نکال لیا۔ اور سلطان کے عزائم حشر بپا کو یورپ نے بے نقاب کردیا۔ بس پھر کیا تھا۔ تمام یورپ میں سنسنی پھیل گئی۔ اور یورپ کی بساطِ سیاست کے شاطر اعظم نے اپنی روباہ بازیوں سے اس نئی تحریک کو کچلنے کی ٹھان لی۔ اِدھر یورپ بیدار ہو گیا۔ اُدھر افغانی کی موت ہو گئی۔ اس پر سلطان کی اغراض نفسانیت بھی لوگوں پر ظاہر ہو گئیں۔ نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ پان اسلامی تحریک پروان نہ چڑھ سکی۔ جمہورِ اسلام میں اخوتِ اسلامی کا تخیّل پیدا

ہوچکا تھا۔ مگر یورپ کے مصالح کی باد تند نے اس کو بار آور نہ ہونے دیا۔ سلطان کے بے نیل مرام ہونے کی ایک اور وجہ یہ تھی، کہ سنوسی تحریک کے بانیان نے اس سے تعاون نہ کیا۔ اگر سید سنوسی کا اس سے تعاون ہوجاتا، تو اس عالمگیر تحریک کا مستقبل وہ نہ ہوتا جو ہؤا۔

ایران میں پان اسلامی جذبات کو جلال الدین حُسینی المعروف مُؤید الاسلام کی شخصیت سے فروغ حاصل ہؤا۔ اس شخص کو لوگوں کی عقیدت حاصل تھی۔ اس کو مغرب سے انتہائی نفرت تھی۔ چونکہ اس تحریک کو روز افزوں ترقی حاصل ہورہی تھی۔ قاچار کے حکمران خاندان کو خدشہ پیدا ہؤا۔ ادھر عیارانِ مغرب نے بھی چالیں چلنی شروع کیں۔ نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ مؤید الاسلام کو خارج البلد کردیا گیا اور ان کو کلکتہ آنا پڑا۔ یہاں آن کر بھی وہ ان جذبات کو ہوا دیتے رہے۔ ایک رسالہ حبل المتین نکالا بوجہ فارسی زبان میں ہونے کے اس کی اشاعت زیادہ تر ایران میں ہوتی تھی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت نہایت عبرتناک تھی۔ انیسویں صدی میں ان کا درجۂ ابتذال تحت الثریٰ سے جا ملا تھا۔ پرانی ڈھب کے علماء تھے۔ وہ نئے حقیقی مسائل سے بالکل بیگانہ تھے اُن کی فتویٰ بازیوں نے ہندوستان کو محشرستان بنا رکھا تھا۔ عوام میں لادینی پورے زور وں پر تھی اس مکروہ ذہنیت کی تخلیق کے ذمہ وار سیاسی حالات بھی تھے۔ سیاسی غلامی کی بدولت وہ اوصاف حمیدہ سے عاری ہو بیٹھے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ عیسائی منادوں کو یہاں بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ جوق در جوق مسلمان عیسائی ہوگئے۔ شرفاء اور نجیب بھی اس الحاد کی رَو سے محفوظ نہ رہ سکے۔ جو تحفظ دین کے قابل سمجھے جاسکتے تھے، وہ آپس میں دست و گریبان ہورہے تھے۔ غدر کے حادثہ فاجعہ نے ارباب حل وعقد کو بھی سیاسی لحاظ سے مسلمانوں سے بدظن کردیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد حکومت کی حکمت عملی میں مسلم کُشی کے عناصر بالکل نمایاں تھے۔ یہ سب اس واسطے کیا گیا کہ مسلمان یادِ ماضی کو بھلادیں، اور ان میں اُبھرنے کی سکت تک نہ رہے۔

Digitized by Khilafat Library

مذہبی اور سیاسی لحاظ سے اُنیسویں صدی کا دوسرا نصف سخت کرب کا زمانہ تھا۔ یہ انتہائی نکبت و ادبار بھی احیاء کا مقتضی تھا۔ بعثتِ مسیح موعودؑ سے پہلے بعض افرادِ ان زہرہ گداز حالات سے متاثر رہے، اور انہوں نے مسلمانوں کو جگانے کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن ان کی کوششیں مغربی قالبوں میں ڈھلی ہوئی تھیں۔ وہ "خود مغرب زدہ" تھے۔ وہ اسلام کے صحیح مغز سے ناآشنا تھے۔ انہوں نے مغربی نقادوں

کے اعتراضات کا پامردی سے مقابلہ نہ کیا۔ جہاں اعتراض پڑتا وہیں یہ کہکر کہ اسلام کا یہ حکم ایک وقتی ضرورت کو پُورا کرنے کے لئے تھا، نجات حاصل کرتے۔ اسلام کی بتائی ہوئی حِلّت وحرمت اُن کے نزدیک ہنگامی تھی، جو انیسویں صدی میں قابل عمل وپذیرائی نہ تھی۔ جب حمایت اسلام کا یہ رنگ ہو مسلمانوں کا انحطاط کیسے دور ہوسکتا تھا۔ وہ اور بھی زیادہ مغربیت کے شکار ہونے چلے گئے۔ مگر یہ اسلام کے نام نہاد خیرخواہ یہی سمجھ رہے تھے، کہ وہ شریعتِ بیضاء کو زندہ کررہے ہیں۔ وہی ہزیمت یافتہ طریقہ کار ان کو محبوب تھا۔ اسلام کی معذوریاں گنانا ہی ان کو کامیابی اور فلاح کا ضامن معلوم دے رہا تھا۔

بزُعمِ خود سمجھتا ہے وہیں حدِ حقیقت بھی　　بشر کے دامنِ افکار کی وسعت جہاں تک ہے

اسلام کوئی مادی نظام نہیں کہ ہنگامی مصلحتوں کا محتاج ہوتا۔ اور ان انسانوں کے ذریعے جو خود تائید ربّانی سے محروم تھے، نشأۃ حاصل کرتا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض افراد کو مسلمانوں کی حالت سے سخت صدمہ ہورہا تھا۔ ان کا دردِ ملّی قابل قدر تھا۔ مگر ان کی مساعی اس وجہ سے لاحاصل تھیں کہ وہ نہ تشخیص مرض کے اہل تھے، اور نہ علاج تجویز کرنے کی قابلیت رکھتے تھے۔ اس واسطے ملّتِ اسلامیہ کا مریضِ ناتواں ان کی بے محل دوادوش سے اور بھی زیادہ مضمحل ہورہا تھا جب ایسا وقت آگیا، کہ موت کی تاریکی ہر جگہ چھاگئی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام ملّتِ اسلامیہ نہنگِ کلیسا کا لقمۂ تر بن جائے گی۔ اور وُہ دین جس کے طفیل سے کروڑہا نفوس نے حیات سرمدی پائی تھی، صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گا۔ تو خدا نے اپنی سنّت قدیمہ کے مطابق انیسویں صدی کے اواخر میں اپنے مامور کو مبعوث فرمایا۔ اس کو مسیح موعود کے نام سے سرفراز کیا۔ اور اس کی مساعی جمیلہ سے باغِ اسلام کو شاداب کیا۔ اس کے ظہور کے ساتھ سب نام نہاد زعماء ماند پڑ گئے۔ فطرتِ صحیحہ کے مالک تو اس کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ مگر جہاں جہاں فساد مضمر تھا، وہاں فتنے اُبھرے۔ مگر فتنہ پرداز ہر منزل میں خائب وخاسر رہے۔ معقولیت پسند طبقہ نے جان لیا۔ کہ سفینۂ اسلام کا ناخدا یہی ہے۔ باقی مدعیٔ تجدید سب ہیچ ہیں ؎

آفتاب تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہُوا
آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

Digitized by Khilafat Library

لفظ رحمٰن اور رحیم میں معنوی فرق

ایک غیر احمدی صاحب کے سوال کا جواب

Digitized by Khilafat Library

سوال :- (۱) سورۃ فاتحہ کی تفسیر جو میرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں کی ہے اس میں جناب میرزا صاحب نے رحمٰن کے یہ معنے لکھے ہیں کہ بغیر سابقہ عمل کی پاداش کے اپنے فضل سے رحم کرنیوالا، اور رحیم کے یہ معنے کہ انسانی کوشش میں رحم کا فیضان کرنے والا۔

(۲) مولانا سیّد سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ارض القرآن کے صفحہ آخر میں لکھا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ترجمہ یہ ہے کہ شروع کرتا ہوں اس کام کو ساتھ نام اللہ کے جس کا دوسرا نام رحمٰن ہے اور وہ رحمت کرنے والا ہے۔ گویا ان کے نزدیک رحمٰن صفاتی نام نہیں بلکہ ذاتی نام ہے۔ جس کا ترجمہ نہیں لکھا۔

(۳) ایک اور صاحب نے رحمٰن اور رحیم کے معنوں میں یہ فرق کیا ہے، کہ رحم و محبت کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک ماں کا رحم و محبت، دوسرا باپ کا رحم و محبت۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ماں کا رحم و محبت اپنے بچے سے زمانہ مستقبل کی نسبت زمانہ حال سے زیادہ تعلق رکھتا ہے یعنی ماں بچے کی زمانہ حال کی تکلیف دیکھکر برداشت نہیں کر سکتی۔ لیکن باپ کی محبت زیادہ تر بچہ کے انجام پر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ مآل کو زیادہ مدنظر رکھتا ہے۔

بہرحال مختلف خیالات جو رحمٰن و رحیم کے معنوں کے متعلق ہیں، میں ان میں فرق نہیں کر سکتا کہ کس خیال کو ترجیح دوں۔ میرا گمان ہے کہ جو معنے میرزا صاحب نے کئے ہیں وہ زیادہ قرین قیاس ہیں۔ اور میں خواہش رکھتا ہوں کہ ان معنوں کو قبول کروں۔ لیکن جب میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو خیالات میں سخت انتشار ہو جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا ذہن ایک مفہوم پر جم جائے۔ اور تمنا ہے کہ مجھے متقدمین میں سے کسی بزرگ عالم یا امام کی رائے مل جائے۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ رحمٰن و رحیم کا جو مفہوم جناب میرزا صاحب نے بیان کیا ہے۔ پہلوں میں سے بھی کسی نے یہی فرق سمجھا ہے۔ سند کسی ایسے بزرگ کی ہو جو واقعی مسلّم ہو۔ جیسے امام غزالیؒ یا امام ابوحنیفہؒ۔ اگر کسی مسلّم ولی اللہ کی کسی کتاب سے

سند مل جاوے تو اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ میں اس مفہوم کو ذہن میں جما لوں گا جو جناب میرزا صاحب نے لکھا ہے۔ اگر میں احمدی ہوتا تو آپ کی طرح مان لیتا۔ لیکن میرے لئے کم از کم کسی ایک مسلّم بزرگ کی سند کا حاصل ہونا لازمی ہے تاکہ ایک تو نماز میں انتشار نہ ہو دوسرے کسی کے سامنے میں ان معنوں کو پیش کروں تو اس کو بھی منوانے کے لئے میرے پاس کوئی سند موجود ہو۔

جواب:۔ لفظ رحمٰن اور لفظ رحیم کے جو معنے سید سلیمان صاحب ندوی نے بیان کئے ہیں ان کی بناء ان کے ذاتی اجتہاد اور استدلال پر ہے جس کی بنیاد انہوں نے سورۂ بنی اسرائیل کی آخری سے پہلی آیت کے ایک حصہ پر رکھی ہے اور وہ یہ ہے۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ یعنے خدا تعالےٰ کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے جس نام سے چاہو پکار سکتے ہو۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نام ایک ہی نہیں بلکہ بہت سے اس کے نام ہیں۔ اور سب بہترین اور نہایت اچھے ہیں جن میں سے کسی میں کوئی خرابی نہیں پائی جاتی۔ اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے نام یہی دو نہیں بلکہ اور بھی بہت سے اس کے نام ہیں۔ اور گو صراحت کے ساتھ ذکر اس آیت میں ان میں سے صرف اللہ اور رحمٰن نام کا ہے اور کسی اور نام کا اس میں صراحت سے ذکر نہیں۔ مگر اس سے اُوپر کی دو آیتوں میں سے پہلی آیت میں صاف طور پر ربّ کے نام سے اللہ تعالےٰ کو پکارنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ پس یہ تو درست ہے کہ رحمٰن نام کا اللہ نام کے بعد خدا تعالےٰ کے ذات کے ساتھ باقی تمام صفات کی نسبت زیادہ تعلق معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس طرح لفظ اللہ خدا تعالےٰ کی ذات کا عَلَم ہے اسی طرح لفظ رحمٰن بھی اس ذاتِ پاک کا عَلَم ہے۔ تا اس کا کوئی ترجمہ نہ کیا جائے جیسا کہ اعلام کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ جس طرح باقی اسماء الٰہیہ کا ترجمہ کیا جاتا ہے اسی طرح لفظ رحمٰن کا بھی ترجمہ کرنا چاہیئے۔

اور جن صاحب نے رحمٰن سے مفہوم ہونے والی رحمت کو ماں کی رحمت سے اور رحیم سے مفہوم ہونے والی رحمت کو باپ کی رحمت سے تمثیل دی ہے، ان کی یہ توجیہہ لائق تحسین اور قابل داد ہے۔ اور اگرچہ یہ ایک ذوقی نکتہ ہے مگر قابلِ قدر ضرور ہے۔ اور چونکہ ان الفاظ کے تحقیقی اور لغوی معنوں سے اس نکتہ کا کوئی تصادم اور ٹکراؤ نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے اسے ردّ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن چونکہ اس کی بناد کسی اصل شرعی یا لغوی پر نہیں اسلئے اس پر کوئی بنیاد بھی نہیں رکھی جاسکتی۔

باقی رہے وہ معنی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائے ہیں۔ سو ان کی طرف قرآن کریم بھی رہنمائی کرتا ہے اور احادیث صحیحہ مرفوعہ بھی۔ پھر لغت بھی۔ اور بعض اکابر علماء کے اقوال بھی۔ قرآن کریم میں سورۂ اعراف کے رکوع ۱۹ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۚ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ۔ یعنے رحمت الٰہی ایک پہلو سے تمام کائنات پر اور ماضی و حال پر حاوی ہے اور دوسرے پہلو سے اس کا مخصوص طور پر اعمال صالحہ بجا لانے والے سچے مومنوں سے اور پھر مستقبل سے تعلق ہے اور سورۂ فرقان کے پانچویں رکوع میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ۔ یعنی آسمان اور زمین کی اور جو کچھ ان میں پایا جاتا ہے اس تمام کی پیدائش اور اس کا نظام قائم رکھنا اور اس کے متعلقہ تمام امور کی تدبیر کرنا جس کا نام استوٰی علی العرش ہے اللہ تعالےٰ کی صفت رحمانیت کا فیضان ہے۔ اور سورۃ احزاب کے چھٹے رکوع میں فرماتا ہے کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی صفت رحیمیت کا فیضان ایمان سے اور پھر مومنوں کا سا طریق عمل اختیار کر کے ان کے اندر صحیح طور پر داخل ہونے سے وابستہ ہے۔ اور اگر ان دونوں پچھلی آیتوں کی روشنی میں مقدم الذکر آیت کو دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ میں صفت رحمانیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور فَسَاَکْتُبُھَا الآیۃ میں صفت رحیمیت کا ذکر ہے۔ اور اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ تفسیر کو ان آیات کے سامنے رکھکر دیکھا جاوے تو صاف نظر آتا ہے کہ جس حقیقت کی طرف یہ آیات رہنمائی کرتی ہیں اسی حقیقت کی طرف آپ نے رہنمائی فرمائی ہے۔

اور احادیث ان معنوں کی طرف یوں رہنمائی کرتی ہیں۔ کہ صحیح بخاری کی کتاب التوحید باب وکان عرشہ علی الماء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مذکور ہے۔ ان یمین اللہ مَلأیٰ لا یغیضھا نفقۃ، سحاء اللیل والنھار ارأیتم منذ خلق السمٰوٰت والارض۔ فانہ لم ینقص ما فی یمینہ۔ وعرشہ علی الماء وبیدہ الاخریٰ الفیض او القبض۔ یرفع ویخفض۔ یعنے اللہ تعالےٰ اپنے دائیں ہاتھ سے جو عطائیں کرتا ہے، وہ عام اور وسیع ہیں۔ اور ان کے لئے کوئی حد بندی نہیں اور اس کی

رحمت کی یہ قسم اس کے مقام عرش سے تعلق رکھتی ہے۔

مذکورہ بالا آیت سے اور آیت اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی سے ظاہر ہے کہ مقام عرش کا تعلق صفت رحمانیت سے ہے جس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے دائیں ہاتھ سے صفت رحمانیت مراد ہے۔ اور اس کے دوسرے ہاتھ کے ساتھ (جس کا نام بایاں ہاتھ ہرگز نہیں بلکہ اس کا یہی نام ہے کہ وہ دوسرا ہاتھ ہے اس کا فیضان ابتدائی طور پر نہیں بلکہ انتہائی شکل میں ظاہر ہوتا ہے) اس کے خاص فیضان کا تعلق ہے۔ یا یہ کہ اس کے ساتھ اس بات کا تعلق ہے کہ وہ مخلوق کے پیش کردہ امور کو لیکر ان کے مطابق کسی کو رفعت بخشتا ہے اور کسی کو نیچے گرا دیتا ہے گویا خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیت اس کا ایک ہاتھ ہے۔ اور اس کی صفت رحیمیت اس کا دوسرا ہاتھ ہے۔ جن میں سے پہلی صفت کا فیضان لوگوں کی کوششوں پر مترتب ہوتا ہے۔ اور یہی مدعا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ تفسیر کا ہے۔

Digitized by Khilafat Library

اور کتب لغت میں رحمٰن کے معنے صاف طور پر یہ لکھے ہیں کہ وہ ہستی جس کی رحمت کی کوئی حدبندی اور انتہاء نہیں۔ اور لفظ رحیم کے معنے گو ایسی صراحت سے کتب لغت میں مجھے نظر نہیں آئے لیکن اگر گہری نظر سے اور وسیع نگاہ سے کتب لغت پر اس بارہ میں غور کیا جائے تو ان سے بھی اسی حقیقت کا پتہ ملتا ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔

باقی رہے علماء کرام کے اقوال۔ سو اوّل تو الاسماء الحسنیٰ کی شروح میں اس امر کی طرف کسی قدر اشارات ملتے ہیں۔ اور اہل درایت مفسرین نے ایک رنگ میں ان معنوں کی طرف اشارات کئے ہیں۔ اور جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں انہیں معنوں کو اختیار کیا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ہر دو اسماء الٰہیہ کی تفسیر فرمائی ہے اس کی مثال سابقہ تصانیف میں نہیں ملتی۔ اور جو کچھ ان میں ملتا ہے اُسے حضور کی بیان فرمودہ تفسیر سے وہی نسبت ہے جو ایک عظیم الشان درخت کے ایک پتے یا بیج کی نسبت اس درخت سے ہوتی ہے۔

مسٹر ایچ - جی - ویلز ایک مورّخ کی حیثیت میں

[یہ فاضلانہ مضمون جناب صوفی عبدالقدیر صاحب بی اے ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی نے اپنے رسالہ کے لئے تحریر فرمایا ہے۔ ہماری درخواست پر آپ نے ازراہِ کرم اس کا ترجمہ اردو رسالہ میں بھی شایع کرنے کی اجازت دی ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔ - ایڈیٹر]

مسٹر ایچ - جی - ویلز ایک بین الاقوامی شہرت کے زبردست مصنف ہیں - اور دُنیا میں جہاں بھی انگریزی زبان سمجھی جاتی ہے، وہاں انہیں بہت شہرت اور قبولیت حاصل ہے - لیکن خداداد قابلیتوں اور تمام عمر کے تجربہ کی بناء پر وہ ادب کی جس صنعت کے لئے زیادہ موزون ہیں، وہ افسانہ ہے - جس کا بیشتر حصّہ مصنف کے ذاتی تخیّل کی تخلیق ہوتا ہے - اور افسانہ میں سے بھی بالخصوص وہ اس حصّہ پر سب سے زیادہ قادر ہیں جسے وُہ خود "امکانات کے تخیلات" کے نام سے موسوم کرتے ہیں آپ کی تصانیف "ہوا میں جنگ"۔ "آزاد شدہ دنیا"۔ اور "چاند میں پہلے آدمی" وغیرہ مزیدار کہانیاں اسی قسم سے ہیں -

Digitized by Khilafat Library

لیکن یہ بات بالکل ظاہر و باہر ہے کہ تاریخ لکھنے کے لئے بالکل اور ہی دماغی خاصیتیں درکار ہیں - تخیّل کے اختراعات کی مشق انسان کو ہرگز اس قابل نہیں بنا سکتی کہ وہ ماضی کا ایک صحیح اور قابل اعتبار نقشہ بھی کھینچ سکے - یہی وجہ ہے کہ مسٹر ویلز کی طبیعت میں ان عالم مورخین کے خلاف جو تاریخ نویسی میں صحتِ واقعات کا سختی سے خیال رکھتے ہیں ایک مخفی اور قدرتی جذبۂ نفرت و بیگانگی ہے - کیونکہ مسٹر ویلز کا خیال ہے کہ اس قسم کے مورخین پیشتر سے جمع شدہ مواد کے انبار کو جُوں کا توں پیش تو کر دیتے ہیں - لیکن وہ مکمل تصویر کو اجتماعی رنگ میں اختصار کے ساتھ اس طرح پیش نہیں کر سکتے کہ پڑھنے والے کے سامنے چند صفحات میں تمام تصویر پر یکجائی نظر پڑ جائے (ملاحظہ ہو دیباچہ تاریخ عالم) تاریخ عالم سے پورے طور پر مستفید ہونے کے لئے یقیناً یہ لازمی ہے کہ اس پر اجتماعی رنگ میں نظر ڈالی جائے - اور اس لئے کہ قلیل الفرصت اور عام قابلیت کے لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں، یہ ضروری ہے کہ اِسے ایک مختصر کتاب کی صورت میں پیش کیا جائے - لیکن یہ ضرورت خواہ کتنی

ہی اشد کیوں نہ ہو، ہرگز ایک مورخ کو واقعات کی تحقیق اور چھان بین کے فرض سے آزاد نہیں کردیتی اختصار کے معنے یہ نہیں ہیں کہ اصل واقعات کی صحت میں فرق پڑ جائے۔ اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ایک اشد ضرورت کو فوری طور پر پورا کرنے کی غرض سے ایک مورّخ خواہ وہ پیشہ ور ہو یا غیر پیشہ ور یہ اطمینان کئے بغیر کتاب لکھنے بیٹھ جائے کہ اس نے واقعات کی صحت کا پورا اہتمام کر لیا ہے یا نہیں۔

Digitized by Khilafat Library

تاریخ لکھنے کا بیڑا اٹھانا ایک ایسا فرض ہے جسے صحیح معنوں میں ادا کرنے پر بنی نوعِ انسان کے مستقبل کا اگر بالکل نہیں تو بہر حال بہت حد تک انحصار ہے۔ ماضی کی غلط تصویر ہرگز انسان کو وہ سبق نہیں سکھا سکتی جس کو سیکھے بغیر بنی نوع انسان نہ تو تہذیب و تمدّن کو برقرار اور محفوظ رکھ سکتے ہیں، اور نہ آئندہ کے لئے ترقی کر سکتے ہیں۔ اور ایک تصویر کُلّاً اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اجزاء بھی بجائے خود صحیح نہ ہوں۔ کیونکہ کسی ایک جزء کی قیمت کا غلط اندازہ باقیماندہ اجزاء کی قدر و منزلت پر مقابلتًا اثر انداز ہوگا۔

اس نہایت ضروری اعتبار سے اس قادرالقلم مصنف کی دونوں تصنیفوں یعنی "خاکۂ تاریخ عالم" اور "مختصر تاریخِ عالم" میں بعض واضح اور صریح خامیاں ہیں۔ مثال کے طور پر ہم ان باتوں کو لیتے ہیں جو اُسنے بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہی ہیں۔ یہ دو اقسام پر مشتمل ہیں۔ اوّل بعض تاریخی واقعات کا بیان۔ اور دوم مصنف کی وہ آراء، تبصرے، اور نتائج جو ان واقعات پر مبنی ہیں۔

ہمیں اس وقت مؤخر الذکر قسم سے بحث نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وُہ جس چیز کے بارہ میں جو رائے چاہے قائم کرلے۔ مگر جہاں تک واقعات کا تعلق ہے، غلط بیانی یقینًا قابلِ مؤاخذہ ہے۔ خصوصًا جب کوئی مورّخ جلد بازی سے کام لیکر اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے تیاری اور مُطالعہ کی تکلیف گوارا نہ کرے اور اپنے زاویۂ نظر کا توازن قائم کئے بغیر لکھنا شروع کر دے۔ مسٹر ویلز نے "خاکۂ تاریخ عالم" میں بعض واقعات کو بیان کرنے میں نہایت فاش غلطیاں کی ہیں۔ چنانچہ ہم چند مثالیں ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

اوّل:۔ مسٹر موصوف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"وہ کوئی زیادہ کامیاب تاجر نہیں تھا۔ صرف خوش قسمتی سے اس عورت کی آنکھوں میں جچ گیا تھا۔" (خاکۂ تاریخِ عالم مطبوعہ ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۰۱)

مسٹر ویلز نے یہاں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلی زندگی کے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ جب آپ سنِ بلوغ کو پہونچے تو آپ کے چچا نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کوئی تجارت یا پیشہ شروع کردیں۔ آپ نے یہ مشورہ نہایت خوشی سے قبول فرمایا۔ اور آپ مکہ کی ایک معزز بیوہ عورت کے جو نہایت وسیع پیمانہ پر تجارت کیا کرتی تھیں۔ کاروباری نمائندہ کی حیثیت میں تاجروں کے ایک قافلہ کے ساتھ شام تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ سفر نہایت کامیاب رہا۔ اور اس سے بہت نفع ہؤا۔

Digitized by Khilafat Library

مسٹر ویلز نے مذکورہ بالا حوالہ میں اسی سفر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم ابھی بتائینگے مسٹر موصوف کا یہ خیال اصل واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ چنانچہ ان مورخین کی تصانیف میں جنہیں تاریخ کے اصل ماخذ کو کسی حد تک تعصب سے خالی نظر سے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے (اور جن میں یورپین مورخ بھی شامل ہیں) مسٹر ویلز کے اس نظریہ کی تردید کی گئی ہے۔

یاد رہے کہ یہ کوئی معمولی سی بات نہیں ہے۔ اس کا تعلق بانیٔ اسلامؐ اور آپ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کی شخصیت اور اخلاق کے بنیادی امور سے ہے۔ اور ایک محقق بانیٔ اسلامؐ اور حضرت خدیجہؓ کے اخلاق کے بارہ میں جو رائے قائم کرے گا، وہ اس کے اس فیصلہ پر جو وہ مذہب اسلام کے بارہ میں دے گا، بہت حد تک اثر انداز ہوگی۔

یہ بتانے کے لئے کہ مسٹر ویلز نے واقعات میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ ہم یہاں سر ولیم میور کی لائف آف محمدؐ کا ایک حوالہ پیش کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ہمارے نقطۂ نظر سے اس حوالہ کو اس امر سے بھی تقویت پہونچتی ہے کہ سر ولیم میور نے اسے پیش کرتے ہوئے اپنی تحقیق کے اصل ماخذ کا ذکر بھی کردیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"(حضرت) محمد تعظیم و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ ابو طالب (جو محدود ذرائع آمد کی وجہ سے مکہ کی سوسائٹی میں کوئی اعلےٰ حیثیت نہ رکھتے تھے) کے مکان میں بالکل علیحدگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر یہ دیکھکر کہ کنبہ بہت بڑھ گیا ہے، اور اخراجات پورے نہیں ہوتے، ابو طالب

کو یہ خیال آیا کہ بھتیجے کو جو اَب جوان ہو گیا تھا، کسی کام پر لگا یا جائے۔ تا وہ اپنی روزی خود کمائے۔ (حضرت) محمدؐ کو دولت کا لالچ نہ تھا، اور نہ زندگی کے کسی حصّہ میں آپ نے کبھی دولت کی خاطر دوڑ دھوپ ہی کی۔ اگر آپ اپنی مرضی پر چھوڑ دیئے جاتے تو شاید آپ اپنے اس زمانہ کے سکون کو تاجرانہ زندگی کے شور وشغب پر ترجیح دیتے، اور خود تاجرانہ زندگی اختیار کرنے کا کبھی اِرادہ نہ کرتے۔ لیکن جب آپ کو ایسا کہا گیا، تو آپ کی کریمانہ طبیعت میں فورًا یہ احساس پیدا ہؤا کہ چچا کی مدد کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے بخوشی لبیک کہا۔ ابن ہشام صفحہ ۱۱۹، الطبری صفحہ ۱۱۲۷، اور ابن احمد صفحہ ۸۲ کے مطابق واقعہ یوں ہے۔ کہ جب ابو طالب کا بھتیجا (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) ۲۵ سال کا ہؤا تو ابو طالب نے اسے اِن الفاظ میں مخاطب کیا "جیسا کہ تم جانتے ہو، مَیں کوئی مالدار آدمی نہیں ہوں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ آجکل مجھ پر سختی کے دن آئے ہوئے ہیں۔ اب تمہارے اپنے ہی قبیلہ کا ایک قافلہ شام جانے والا ہے۔ اور خویلد کی لڑکی خدیجہؓ کو اپنے قبیلہ کے چند ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے، جنہیں وہ اپنے سامان کے ساتھ بھیج سکے۔ سو اگر تم اپنے تئیں اس کام کے لئے پیش کرو۔ تو وہ تمہیں ضرور قبول کر لیگی" محمدؐ نے یہ تجویز مان لی۔ پھر ابو طالب خدیجہ کے پاس گئے۔ اور ان سے کہا، کہ کیا آپ میرے بھتیجے کو ملازم رکھ لیں گی؟ ہمیں معلوم ہؤا ہے، کہ آپ نے ایک اور شخص دو اُونٹوں کی اجرت پر ملازم رکھا ہے۔ لیکن میں اپنے بھتیجے کو چار اُونٹوں سے کم اجرت پر نہیں بھیجوں گا۔ متوسط العمر عورت (حضرت خدیجہؓ) نے نہایت عقلمندی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ کہ اگر آپ یہ سفارش کسی دوسرے اور دُور کے قبیلہ والے شخص کے بارہ میں کرتے تو بھی مَیں مان لیتی۔ چہ جائیکہ یہ (آنحضرتؐ) تو آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ پس اس طرح معاملہ طے ہو گیا، اور (حضرت) محمدؐ نے شام کے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو ابو طالب نے آپ کو آپ کے ہمراہیوں کے ساتھ کر دیا۔ میسرہ بھی جو (حضرت) خدیجہؓ کا ایک غلام تھا سامان کی حفاظت کے لئے قافلہ کے ہمراہ تھا قافلہ اسی عام راستہ سے روانہ ہؤا جس سے (حضرت) محمدؐ ۱۳ سال پیشتر اپنے چچا کی معیت میں گئے تھے۔ چند دنوں کے بعد آپ بُصرا پہونچے۔ جو یردن سے ۶۰ میل مشرق کی طرف اور دمشق کے رستہ میں ہے۔ اِس بڑی منڈی کے لین دین

کا اندازہ جہاں شام کے چالاک تاجروں کی یہ کوشش رہتی تھی کہ سیدھے سادھے عربوں کو کسی طرح لوٹ لیا جائے، (حضرت) محمدؐ کے مذاق اور اخلاق کے بالکل خلاف تھا۔ تاہم آپ خداداد دانش وذہانت کی وجہ سے نہایت کامیاب رہے۔ اور آپ ایک معمولی نفع کے ساتھ واپس لوٹے۔"

دوم۔ پھر مسٹر موصوف اپنی کتاب کے اسی صفحہ میں لکھتے ہیں:۔

"اگر کوئی شخص مکہ میں ۶۰۰ء میں جاتا تو وہ (حضرت) محمدؐ کو ایک لوفر (Loafer) سا پاتا۔" (خاکہ تاریخ عالم صفحہ ۶۰۱)

آؤ ہم دیکھیں کہ جس وقت کی طرف مسٹر ویلز نے اوپر اشارہ کیا ہے، اس وقت حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں آپ کے ہمعصروں کا کیا خیال تھا۔ آپؐ کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی۔ ۶۰۰ء میں آپ کی عمر ۳۰ سال تھی۔ ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ آپ نے تجارت ۲۵ سال کی عمر میں شروع کی۔ اور اسے نہایت دانش وقابلیت سے نبھایا۔ شام کے اس سفر کے علاوہ جو آپ نے تجارت کے سلسلہ میں کیا، اور جس کا ذکر ابھی سر ولیم میور کے حوالہ میں آیا ہے، تاریخ کے اصل ماخذوں میں آپ کے اور بھی بہت سے سفروں کا ذکر آتا ہے، جو آپ نے یمن اور شام میں دیگر موقعوں پر کئے۔

Digitized by Khilafat Library

انگریزی لغت میں لوفر (Loafer) سے مراد وہ شخص ہے جو نکما ہو۔ اور اپنا وقت یونہی ضایع کرے۔ عام استعمال میں اس میں کچھ بدچلنی کا اشارہ بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی معزز شخص مجبوراً بےکاری کی وجہ سے اپنا وقت ضایع کرتا ہے، کیونکہ اُسے کوئی مفید ذریعۂ معاش نہیں ملتا، یا اگر وہ صاحب حیثیت ہے اور اپنا فرصت کا وقت علیحدگی کی پاکیزہ زندگی میں اپنے ذہنی نشو ونما پر لگاتا ہے، تو ہم اُسے ہرگز لوفر (Loafer) نہیں کہینگے۔

اگر اس زمانہ میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم مسٹر ویلز کے خیال کے مطابق واقعی لوفر (Loafer) مشہور ہوتے تو ایک مستقل اور مستحکم کاروبار والی صحیح الدماغ عورت ہرگز آپؐ کو اپنی تجارت کے انتظام کے لئے منتخب نہ کرتی۔ اس زمانے کے کاروباری مرد وعورت ہمارے زمانے کے کاروباری لوگوں سے مختلف نہیں تھے۔ اس طبقہ کے لوگوں میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص ان کے پاس درخواست لیکر جائے۔ تو وہ ضرور اس کے ساتھ مہربانی

سے پیش آئینگے۔ اور ان میں سے بعض تو ایسے شریف النفس بھی ہوتے ہیں جو بغیر کہے بھی کسی پر احسان کر دینگے لیکن آپکو کوئی ایسا کاروباری آدمی ہرگز نہیں ملیگا۔ جو خواہ مخواہ ایک نا اہل شخص کو صرف ایک رشتہ دار یا دوست کو خوش کرنے کی خاطر نقصان کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنا کاروبار سونپ دے۔

حضرت خدیجہؓ جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں ایک معزز خاندان کی پختہ عمر کی بیوہ تھیں۔ آپ کی پہلے دو شادیاں ہو چکی تھیں اپنی جوانی میں آپ نہایت وجیہہ تھیں۔ شرافت اور پاکیزگی کی وجہ سے آپ مکّہ میں طاہرہ (یعنی پاکیزہ) کے نام سے مشہور تھیں۔ اور ہر وہ شخص جو طبقات ابن سعد کا مطالعہ کرے معلوم کر سکتا ہے کہ آپ کا کاروبار نہایت کامیاب اور وسیع پیمانہ پر تھا۔ حتّٰی کہ اکثر اوقات آپ کا سامانِ تجارت باقی تمام قبیلۂ قریش کے سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ یہ شہادت تو حضرت خدیجہؓ کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت مکّہ کے دیگر لوگوں کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کیا رائے تھی۔

Digitized by Khilafat Library

کعبہ جو ایام جاہلیّت میں عربوں کا سب سے متبرک معبد تھا اور جو مسلمانوں کی نگاہ میں بھی نہایت محترم ہے ۶۰۵ء میں دوبارہ بنایا گیا۔ اس دوسری تعمیر کی داستان قبل از اسلام عربوں کی قومی ذہنیت کے لحاظ سے نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات ہے۔ لیکن یہاں ہم اسکے صرف اس پہلو کا ذکر کرینگے جس کا تعلق ہماری اس بحث سے ہے۔

جب دیواریں کافی اُونچی ہو گئیں اور حجرِ اسود کو اسکی جگہ پر رکھنے کا وقت آگیا تو یہ تنازعہ پیدا ہُوا کہ اسے دیوار میں نصب کرنیکا شرف کسے حاصل ہو۔ ہر قبیلہ نے چاہا کہ یہ امتیاز اسے حاصل ہو۔ اور معاملہ نے یہانتک طول پکڑا۔ کہ ان میں سے بہتیروں نے (جیسا کہ جاہلیت کے عربوں میں یہ وحشیانہ رواج تھا) ایک خون سے بھرے ہوئے پیالے میں انگلیاں ڈالکر نہایت سخت قسمیں کھائیں کہ وہ لڑنے مرنے پر اُتر آئینگے لیکن یہ شرف اپنے قبیلہ کے سوا کسی دوسرے کو نہ لینے دینگے۔ تعمیر کا کام بند کر دینا پڑا۔ اور ذمہ وار لیڈروں نے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے دماغ لڑائے۔ لیکن کچھ طے نہ ہُوا۔ حتّٰی کہ ایک شخص نے یہ مشورہ دیا کہ جو شخص بھی کعبہ میں پہلے داخل ہو، اس تنازعہ کا فیصلہ اس سے کروایا جائے۔ اس طریق تصفیہ کو سب نے بخوشی قبول کر لیا۔ اور وہ اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں وہ کون خوش قسمت شخص ہے جو ایسا ذمہ وارانہ فیصلہ کرنے کے لئے پہلے کعبہ میں داخل ہوتا ہے۔ دور سے ایک آدمی کعبہ کی طرف آتا ہُوا دکھائی

دیا۔ یہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم تھے، جو بعد میں اسلام کے رسول بننے والے تھے۔ ہر شخص نے آپ کا "الامین" "الامین" کے نعروں سے استقبال کیا۔ یہ وہی نام تھا جس سے آپ کو مکہ کے لوگ متفقہ طور پر آپ کے خاص محاسنِ اخلاق کی وجہ سے پکارتے تھے۔ الامین کے معنی ہیں ایماندار، راستگو، معزز اور معتبر۔

اس واقعہ کا ذکر تمام پہلے مورخین نے کیا ہے جن میں سے چند یہ ہیں۔ طبری۔ ابن ہشام۔ ابن سعد زرقانی، خمیس۔ قارئین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان حالات میں صرف ایک ناول نویس ہی (جو اسمائے صفت کو بے پرواہی اور کم توجہی سے استعمال کرنے کا عادی ہے) حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے لوفر (Impostor) کا لفظ استعمال کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ سال تھی۔ اور اس واقعہ کے وقت آپ کی شہرت جس کی بناء پر آپ الامین کہلاتے تھے ضرور دیرینہ ہوگی۔ پس ہمارے پاس مکہ والوں کی متفقہ شہادت ہے کہ آپ کی زندگی ایک ایسا مکمل نمونہ تھی کہ جو بھی آپ کے بارہ میں لوفر (Impostor) کا لفظ استعمال کرتا ہے، وہ یا تو اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے جو ایک مورخ میں قابل مواخذہ ہے۔ اور یا پھر وہ قصداً حق و صداقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے جو انصاف کا خون ہے۔

اگلی مثال پر بحث شروع کرنے سے پہلے ہم سر ولیم میور کی "لائف آف محمدؐ" میں سے ایک اور چھوٹا سا ٹکڑا درج کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

Digitized by Khilafat Library

"تاریخ کے تمام معتبر اصلی مأخذ اس بات پر متفق ہیں کہ (حضرت) محمدؐ کی صورت و سیرت میں ایک حیا کا مادہ تھا، جو مکہ کے لوگوں میں بہت کم تھا۔ آپ کی پاکیزگی ایک معجزانہ طریق سے محفوظ رکھی گئی۔ آپ خود فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک رات قریش کے ایک لڑکے کی ہمراہی میں ریوڑ چرا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ اگر تو میرے گلہ کی رکھوالی کرے، تو میں مکہ جاکر کچھ تفریح کر آؤں۔ لیکن جونہی آپ شہر کے حدود کے قریب پہونچے آپ کی توجہ ایک برات میں منہمک ہو گئی۔ اور آپ کو نیند آگئی۔ ایک اور رات جب آپ پھر اسی ارادہ سے شہر میں داخل ہوئے تو ایک قسم کے آسمانی راگ (موسیقی) نے آپ کی توجہ مبذول کر لی۔ آپ نیچے بیٹھ گئے۔ اور اسی حالت میں آپ کی آنکھ لگ گئی، یہانتک کہ صبح ہو گئی۔ اس طرح آپ خواہشات نفسانی سے بچ گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے ہرگز گناہ کا خیال تک نہیں کیا۔ حتیٰ کہ نبوت کا زمانہ آگیا۔ اس عقیدتمندانہ احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی جس کی وجہ سے ایسی کہانیاں مشہور ہو گئیں، یہ (حضرت) محمدؐ کے اخلاق کے بالکل مطابق ہے۔ کہ

آپ نے ان تمام غلیظ اور عیاشانہ افعال سے پرہیز کیا ہو۔ جن کے آپ کے نوجوان دوست عادی تھے۔ آپ مصفّٰی دماغ اور شستہ مذاق رکھتے تھے، اور ہمیشہ خلوت میں اپنے خیالات و تفکّرات کی دنیا میں محو رہتے تھے۔ اس طرح آپ کا فرصت کا وقت جو دوسرے لوگ غیر مہذب کھیلوں اور عیاشی میں ضایع کر دیتے، کٹ جاتا تھا۔ اس سیدھے سادھے نوجوان نے اپنے حسنِ اخلاق اور عمدہ چال چلن کی وجہ سے اہلِ مکّہ سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ اور متفقہ طور پر الامین کہلانے لگا۔" [1] (دلائف آف محمدؐ صفحہ ۱۹)

مارگولیتھ کو بھی جسے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف بے حد تعصّب ہے تاریخی ماخذوں کی قوی شہادتوں کی بناء پر یہ لکھنا پڑا کہ:- Digitized by Khilafat Library

"بہت سالوں تک جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں آپ ایک معزز شہری تھے۔" (محمدؐ صفحہ ۷۲)

سوم:- مسٹر ویلز لکھتے ہیں:- "چند سالوں تک یہ نیا مذہب سیدھے سادھے لوگوں کے ایک مختصر سے گروہ کا راز تھا۔ یعنی خدیجہؓ حضرت محمدؐ کی زوجہ، علیؓ آپ کے متبنّٰی، زید ایک غلام، اور ابو بکرؓ ایک دوست اور مدح سرا۔" (خاکۂ تاریخِ عالم صہ ۶۰۳)

حضرت علیؓ کو رسولِ کریمؐ نے ہرگز اپنا متبنّٰی نہیں بنایا۔ آپکی پرورش بے شک رسولِ کریمؐ کے ہاتھوں ہوئی۔ لیکن یہ ایک بالکل علیحدہ بات ہے۔ آپ نے جس شخص کو اپنا متبنّٰی بنایا وہ زید تھا۔ جو آپ کا غلام تھا۔ اور جسے آپ نے رہا کر دیا تھا۔

اس بارہ میں سر ولیم میور نے بھی وہی غلطی کی ہے جو مسٹر ویلز نے۔ یا شاید مسٹر ویلز نے سر ولیم میور کی پیروی کی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو یہ ایک نہایت عجیب ستم ظریفی ہے کہ ان بہت سی باتوں میں جہاں سر ولیم میور نے اپنی رائے زبردست اور قوی ماخذوں پر قائم کی ہے، وہاں مسٹر ویلز اپنے انفرادی آزاد نظریہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن جہاں سر ولیم نے ایسی صریح غلطی کی ہے جس کا ارتکاب آپ جیسے عالم سے جو اصل ماخذوں سے یقیناً واقفیت رکھتا ہے بالا از فہم ہے۔ وہاں مسٹر ویلز ان کی رائے بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں۔

چہارم:- مسٹر ویلز لکھتے ہیں:- "صلح حدیبیہ کا ماحصل یہ تھا کہ مومن نماز کیوقت یروشلم کی طرف منہ کرنیکی بجائے (جیسا کہ وہ اب تک کرتے آئے تھے) مکّہ کی طرف کریں۔ اور یہ کہ مکّہ اس نئے مذہب کے حج کا مرکز ہو۔" (خاکۂ تاریخِ عالم صفحہ ۶۰۷)

---

[1] یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئیے۔ کہ سر ولیم میور نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا جو ترجمہ کیا ہے وہ کلّی طور پر صحیح نہیں ہے۔ - منہ

غلط بیانی کی اس سے زیادہ واضح مثال ملنی ناممکن ہے تحویل قبلہ ۲ ہجری میں ہوئی یعنی مسلمان ۲ ہجری میں مکہ کیطرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے، جیسا کہ اس سے قبل بیت المقدس کی طرف کر کے پڑھتے تھے اور صلح حدیبیہ کا واقعہ سن ہجری کے چھٹے سال میں ہوا۔ مسٹر ویلز نے اپنی جہالت سے دو باتوں کو جن کا آپس میں کچھ بھی تعلق نہیں ہے ملا دیا ہے۔ اور یہ یا تو جلد بازی کا نتیجہ ہے، یا واقعات کی صحت کی ضرورت کے عدم احساس کا۔ صلح حدیبیہ کے وقت تحویل قبلہ پر چار سال گذر چکے تھے لیکن مسٹر ویلز لکھتے ہیں کہ تحویل قبلہ صلح کے دن ہی ہوا۔ اور صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ صلح کی شرائط میں سے ایک شرط تھی۔

ذیل میں ہم اس معاہدہ کا وہ ترجمہ جو سر ولیم میور نے کیا ہے درج کرتے ہیں۔

" (حضرت) محمدؐ نے علیؓ کو بلایا کہ جو آپ فرمائیں وہ لکھتے جائیں۔ اور آپ نے یوں شروع کیا:۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سہیل نے جو قریش کا نمائندہ تھا کہا "ٹھیرو! اللہ کو تو ہم جانتے ہیں، لیکن یہ نیا نام ہم نہیں جانتے۔ جیسا ہم کہتے چلے آئے ہیں ویسے ہی کہو" یعنی صرف "بسم اللہ" لکھو۔ (حضرت) محمدؐ مان گئے۔ آپؐ نے فرمایا لکھو:۔ "بسم اللہ یہ ہیں صلح کی شرائط مابین محمد رسول اللہ اور ـــ" "پھر ٹھہرو" سہیل نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا:۔ اگر تم واقعی وہی ہو جو تم کہتے ہو تو میں ہرگز تمہارے خلاف ہتھیار نہ اٹھاتا۔ دستور کے مطابق لکھو۔ یعنی اپنا نام اور اپنے والد کا نام۔" (حضرت) محمدؐ نے نہایت نرمی سے کہا "اچھا تو لکھو مابین محمدؐ بن عبد اللہ و سہیل بن عمرو۔ دس سال تک جنگ نہیں کی جائے گی۔ جو شخص محمدؐ کے ساتھ ملنا چاہے یا اس کے ساتھ صلح کرنا چاہے اُسے ایسا کرنے کا پُورا اختیار ہے۔ اور اسی طرح جو قریش سے ملنا چاہے یا ان سے صلح کرنا چاہے اُسے بھی پورا اختیار ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے نگران کی اجازت کے بغیر (حضرت) محمدؐ سے آملے تو وہ اپنے نگران کے پاس واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر (حضرت) محمدؐ کے پیرو قریش سے جا ملیں تو وہ واپس نہیں کئے جائیں گے۔ (حضرت) محمدؐ اس سال شہر سے واپس لوٹ جائے گا۔ اگلے سال (حضرت) محمدؐ اپنے پیروؤں کے ہمراہ مکہ آجائے۔ اور اس اثناء کے لئے قریش ان کے لئے شہر چھوڑ دیں۔ لیکن وہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لائیں۔ سوائے ایسے ہتھیاروں کے جو ایک مسافر کے پاس ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ایک کے پاس ایک تلوار میان میں۔" (لائف آف محمدؐ صفحہ ۳۵۹)

Digitized by Khilafat Library

اس ضمن میں "محمدؐ" مؤلفہ ڈی۔ ایچ۔ مارگولیتھ صفحہ ۳۴۷ کا حوالہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔

صلح حدیبیہ کی مکمل تفصیلات رسولِ کریمؐ کی سوانح حیات کے تمام اصل ماخذوں میں موجود ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی میں بھی اس صلح کے ضمن میں تحویل قبلہ کا ذکر نہیں آتا۔ اور آتا بھی کیونکر؟ جبکہ یہ چند سال پیشتر ہی بعض وجوہات کی بناء پر جن کی بحث میں اس وقت پڑنے کی ضرورت نہیں ہے وقوع میں آچکا تھا۔ اور نہ ہی مکہ کو مرکز حج بنانے کا ان شرائط سے کچھ تعلق تھا جن کی بناء پر صلح ہوئی۔

پنجم:۔ "مختصر تاریخ عالم" میں مسٹر ویلز نے ایک اور اس سے بھی زیادہ زبردست غلطی کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"مکہ اور مدینہ کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ مگر آخر اس شرط پر ختم ہوئی کہ اہل مکہ خدائے واحد کی عبادت کریں اور محمدؐ کو اس کا رسول مانیں۔ لیکن اس نئے مذہب کے پیرو حج کے لئے پھر بھی مکہ ہی جائیں۔" (صفحہ ۲۰۷)

یہ مسٹر ویلز کا صریح اختراع ہے۔ جس میں حقیقت نام کو بھی نہیں ہے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط کا ترجمہ اوپر دیا جا چکا ہے۔ اور قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں اہلِ مکہ کے خدائے واحد کی عبادت اور حضرت محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

قارئین اب خود فیصلہ کر سکتے ہیں، کہ کیا ایک ایسا مورخ جو اپنے مضمون کی نہایت ضروری اور اہم باتوں کے بارہ میں بھی اس قدر کھلی جہالت ہی نہیں بلکہ افتراء پردازی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے، وہ بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم الشان ہستی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کا مجاز ہے ؟

Digitized by Khilafat Library

اِسلامی مجالِس

اسلام کے دَورِ زرّیں کی مجالس تاریخی اور اصلاحی نقطۂ نگاہ سے بیحد اہم ہیں۔ ان مجالس میں چار ایسی عظیم القدر خصوصیات نظر آتی ہیں، جو انفرادی طور پر تو ممکن ہے اعلےٰ سوسائٹی کی مجالس میں پائی جائیں۔ کسی میں ایک اور کسی میں دو لیکن اسلام سے باہر اعلےٰ ترین عمرانیت اور مہذب ترین اقوام کی مجالس میں بھی بحیثیت مجموعی حتماً نہیں پائی جا سکتیں۔ مجالس اسلامی ان چاروں خصائص کو بیک وقت اپنے اندر جمع رکھنے میں منفرد ہیں۔ اور دُنیا کی کوئی مجلس اس جہت میں اسلامی مجالس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

Digitized by Khilafat Library

مجالسِ اسلامی پر نظر کرنے سے سب سے پہلی خصوصیت جو آپ ملاحظہ کرینگے، وہ انکی حیرت انگیز جامعیت ہے۔ انسان کی تمدنی، معاشرتی، اور رُوحانی ضروریات کا کوئی حصہ نہیں جسے صرف اس دَور کی مجالس میں ہی زیر بحث نہ لایا گیا ہو۔ اصلاحاتِ انسانی کا کوئی گوشہ نہیں جس کی تلقین انہی مجالس میں نہ کردی گئی ہو۔ وہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی تھیں۔ اسلام پر وہ تمام حالات آئے جو دنیا میں کسی قوم پر آسکتے ہیں۔ غربت، امیری، محکومیت، حکومت، غلبہ، اسیری، جنگ، فتح، شکست، تنہائی، لاکھوں کی معیت، مظلومیت، کمزوری، ناطاقتی، کس مپرسی، قوت، شوکت، دبدبہ، ذرائع کی وسعت، غرض جسقدر بھی مختلف و متضاد حالات ہو سکتے ہیں، اسلام کی زندگی میں تاریخ نے ان سب کو دہرایا ہے۔

اور یہی دلیل ہے اس امر کی کہ اسلامی مجالس میں جامعیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے خلفاء کی مجالس پر نظر کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں کہیں ذاتِ باری کے دلائل کا اظہار ہوتا ہے۔ صفاتِ الٰہیہ کی حقیقت و اصلیت کو کھولا جاتا ہے۔ توحید اور اسکے ایجابی اصول اور ارکان بیان ہوتے ہیں۔ خالق و مخلوق کے باہمی تعلق کی تعیین کی جاتی ہے۔ وصالِ الٰہی کے رستوں کو بتایا جاتا ہے۔ کتب الٰہیہ پر ایمان اور پھر سلسلۂ ایمانیات کی آخری کڑی یعنی یوم آخرت پر ایمان کے مسائل بیان ہوتے ہیں۔ اخلاقِ حسنہ کے مختلف مدارج زیر بحث آتے ہیں۔ بُت پرستی کی برائیاں بیان کی جاتی ہیں۔ بداخلاقیوں۔ بدکرداریوں اور بداعمالیوں پر دارو گیر ہوتی ہے۔ اور کہیں تمدنِ انسانی

کے مختلف شعبوں کو بیان کیا جاتا ہے۔ اہلی تعلقات، بادشاہت، ملکیت اور شہنشاہیت کے تعلقات بیان ہوتے ہیں۔ ملکی اور سیاسی امور سلجھائے جاتے ہیں۔ مزدور اور سرمایہ دار کے حقوق کو متوازن رکھا جاتا ہے۔ مختلف مذاہب کے باہمی تعلقات کو درست کرنیکی کوشش ہوتی ہے۔ شہریت کے اصول، لین دین کے معاملات، اٹھنے بیٹھنے کے طریق، کھانے پینے کے آداب، رہنے سہنے کے قواعد، سونے جاگنے کے اطوار غرض سبھی کچھ بیان ہوتا ہے۔ درحقیقت معلّمِ اسلام ؐ نے اسلامی مجالس ہی میں تمام قرآن کی تلقین کی تھی۔ اور قرآن مجید وہ کتاب ہے، جس میں یہ تمام مسائل کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً بیان کئے گئے ہیں اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ کی آیت کے زمانہ نزول سے لیکر اسوقت تک کہ جب دُنیا نے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کا خوش آئند پیغام سُنا، انسانی ضروریات کے تمام مسائل کی تشریح مجالس اسلامی ہی میں کیگئی تھی

اسلامی مجالس میں سے وہ مجلس جو صفا کی پہاڑی پر فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے ارشاد کی تعمیل میں منعقد کیگئی۔ اور جسمیں سب سے پہلی بار اسلام کی تبلیغ اور قرآن کی حیثیت کو وا شگاف کیا گیا۔ پھر وہ مجلس جو وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کے حکم کی تعمیل میں منعقد ہوئی اور جسمیں دعوت کا انتظام کر کے حق کا پیغام پہنچایا گیا۔ پھر ارقم رضؓ کے مکان کی سہ سالہ مجالس۔ پھر وہ مجلس جسمیں بے سر و سامانی کے تمام لوازم کے ساتھ قیصر و کسریٰ کی باجبروت و باسامان حکومتوں کو تہ و بالا کر دینے کی تجاویز مرتب کی گئیں۔ پھر لیلۃ العقبۃ والی مجلسیں پھر مسجد نبوی کی تعمیر کیلئے مشورہ والی مجلس۔ پھر وہ مجلس جو مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر پر منعقد ہوئی، اور جسمیں انصار اور مہاجرین کے مابین مؤاخات کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ اور جسکے متعلق بعد کے واقعات نے بتایا کہ وہ عظیم الشان اغراضِ اسلامی کی تکمیل کا سامان تھی۔ پھر صفہ اور اصحابِ صفہ کی مجالس جنکی بدولت زندگی کی بہت سی راہوں میں ہماری دلیلِ راہ یعنی احادیث کے ایک وسیع ذخیرہ سے ہم مالامال ہیں۔ پھر وہ مجلسیں جنمیں تعزیراتِ اسلامیہ کو نافذ کیا گیا۔ پھر وہ مجلس جس میں لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا کے مساوات بخش الفاظ دُنیا نے سُنے۔ پھر جنگِ بدر سے پہلے کی مجلس۔ پھر وہ مجلس جسمیں وفدِ نجران سے گفتگو کیگئی۔ پھر فتح مکہ کے بعد کی وہ مجلس جسمیں ہندہ سے سوال و جواب ہُوا۔ پھر وہ مجلسیں جنمیں صحابہؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ڈھیروں ڈھیر اموال لاکر جمع کر دیئے۔ پھر وہ مجلسیں جو مسلمانوں اور یہود کے تعلقات کو واضح اور منضبط کرنے کیلئے مدینہ میں منعقد کی گئیں، اور جنمیں سے ایک میں وہ معاہدہ مرتب ہوا جسمیں فریقین کی مذہبی آزادی تسلیم کیگئی۔ پھر جنگِ بدر، جنگِ اُحد، اور غزوہ

خندق کی جنگی مجالس - پھر وہ مجلس جسمیں آپ نے سلاطین زمانہ کو دعوتی خطوط لکھنے کا اظہار فرمایا۔ پھر صلح حدیبیہ والی مجلس پھر لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کے اعلان والی مجلس جسمیں غلبہ کے ساتھ احسان، رحم، بخشش عطاء، اور جود کی فقید المثال صفات کا اظہار ہوا۔ پھر جمعہ کی ہفتہ وار متنوع مجالس - پھر عید کی سالانہ مقامی مجالس - اور آخر میں حج کی سالانہ عالمگیر اور عظیم الشان مجلس - ان تمام مجالس پر ایک یکجائی نظر ڈالو اور پھر بتاؤ کہ انسانی ضروریات کا وہ کونسا پہلو ہے جسے انمیں زیر بحث نہیں لایا گیا؟ کیا ان مجالس میں انسان کی روحانی حالتوں کی بہتری کیلئے کوششیں نہیں ہوئیں؟ کیا انمیں اخلاقی قوانین بیان نہیں کئے گئے؟ کیا عام تمدّنی امور کا ذکر نہیں ہوا؟ کیا سیاسی اور اقتصادی مسائل کو نہیں سلجھایا گیا؟ کیا دعوۃ و تبلیغ کے فرائض کو سرانجام نہیں دیا گیا؟ کیا تعلیم و تربیت کو نظر انداز کیا گیا؟ کیا ذکر و تذکیر نہیں ہوا؟ غرض وہ کونسا پہلو ہے۔ جس کو اسلامی رنگ میں مجلسیں منعقد کر کے واضح نہیں کیا گیا؟

اسلامی مجالس کی خصوصیت کے مضمون کو اور زیادہ واضح کرنے کیلئے میں آپکو سورۂ نساء کے سترھویں رکوع کی اُن آیات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جنمیں مجالس اسلامی کے لائحہ عمل کو کمال درجہ کی فصاحت اور بلاغت سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ ط یعنی انجمنوں کے منعقد کرنیکے یہ اغراض ہونے چاہئیں کہ ان میں امر بالصدقہ امر بالمعروف اور امر باصلاح بین الناس کے سہ گانہ امور انجام دیئے جائیں۔ یعنی وہ کام کئے جائیں، جن سے غرباء کی خبرگیری، حاجتمندوں کی حاجت روائی، کمزوروں، ناطاقتوں اور بیکاروں کی امداد کیجائے۔ پھر علوم و فنون کی تحقیق و ترویج و اشاعت کی غرض کیلئے مجلسیں منعقد کرنی چاہئیں، کہ امر بالمعروف کے یہی معنے ہیں۔ پھر باہمی جھگڑوں کے مٹانے اور سلجھانے کیلئے۔ یہ جھگڑے خواہ انفرادی ہوں یا خانگی، خواہ محلوں کے لحاظ سے ہوں یا شہروں کے لحاظ سے۔ ملکوں کے ہوں یا قوموں کے، چند حکومتوں کے ہوں یا بہت سی حکومتوں کے، غرض جہاں بھی جھگڑا اور جہاں بھی فساد ہو، اسکے ازالہ کیلئے مجالس ہونی چاہئیں۔ اب بتاؤ انسانی ضروریات کا وہ کونسا حصہ اور کونسا پہلو ہے جو اس سے باہر بچ جاتا ہے

دوسری خصوصیت اسلامی مجالس کی یہ ہے۔ کہ ان میں کاملیت پائی جاتی ہے پہلی اور اس خصوصیت کا باہمی فرق سمجھ لیجئے۔ جامعیت کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ بحیثیت کُل اگر اسلامی مجالس پر نظر کیجائے، تو انمیں انسان کی تمدّنی، معاشرتی، اور روحانی غرض تمام ضروریات کو زیر بحث لایا گیا ہے لیکن کاملیت

کا یہ مفہوم ہے کہ ان ضرورتوں کو جو مختلف الکیفیّت اور مختلف الحیثیت ہیں انفرادی طور سے بہتر اور کامل طور پر سمجھایا جائے اور انسان کی رُوحانی اخلاقی اور تمدنی وغیرہ تمام ضروریات کو فراہم کرنے میں اعلیٰ ترین معیار کو پیش کیا گیا یعنی جامعیّت میں کمیّت کا خیال کیا گیا۔ اور کاملیت میں کیفیت کا۔

اس خصوصیت کو نمایاں اور واضح کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے، کہ درجہ بدرجہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو انفرادی طور پر لے کر یہ تبلایا جائے کہ جب ان کو اسلامی مجالس میں زیر بحث لایا گیا تو اسمیں ایک اعلیٰ ترین معیار پیشِ نظر رہا۔ اور جب کسی رُوحانی، اخلاقی، تمدنی اور اقتصادی سوال کو حل کیا گیا تو اس کے تمام پہلو اور اس کے تمام گوشے زیر بحث آ گئے۔ اور جو جواب دیا گیا وہ تمام صحیح المذاق لوگوں کے لئے خواہ وہ کسی تربیت سے تربیت یافتہ، کسی ملک کے رہنے والے، کسی تمدن کے شہری اور کسی قابلیت اور علمیت کے ہوں، تمام کے لئے قابلِ قبول ثابت ہوُا۔ اس وقت ہم صرف چند ایک مثالوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

دیکھو اسلام نے خوشی کے عواطف کی تسکین کی اجازت دی ہے، اور اجازت دی ہے کہ انسان مسرت و نشاط کے حاصل کرنے اور خوشیاں منانے کیلئے مجالس منعقد کرے لیکن اس کے ساتھ بعض روحانی، اخلاقی، اور تمدنی ذمہ داریاں ایسی ڈالدی ہیں کہ ان کو ملحوظ رکھکر حدود سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔ اور انسان ان تمام بدعواقب سے محفوظ ہو جاتا ہے جو بے روک ٹوک نشاط کے حاصل کرنیسے پیدا ہوُا کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ عین ان خوشی کے لمحات میں بعض ایسے مذہبی مراسم شامل کر دیئے ہیں، کہ جذباتِ مسرت کی رَو کسی بُرائی اور خرابی کی طرف چلنے کی بجائے نفس کی اصلاح، ذہن کی تربیت، اور طبیعت کی جائز شگفتگی کا موجب بنتی ہے۔ بیشک بیاہ و شادی کے اوقات مسرت کے اعلےٰ ترین لمحات میں سے ہیں۔ لیکن اسلام نے انہیں بھی چند مذہبی رسوم سے وابستہ کر دیا ہے۔ اور اسطرح شادی محض نفسانی جذبات کی تسکین کا سامان بنکر نہ رہ گئی، بلکہ ایک موجب ہو گئی تمدن کی اصلاح کا، ایک ذریعہ بنگئی اخلاق کی ترقی کا، اور ایک سبب قرار پا گئی رُوحانی ارتقاء کا۔

Digitized by Khilafat Library

اسلام نے عید کی مجلس منعقد کرنے کیلئے اپنے متبعین کو حکم دیا۔ اور کہا کہ اسمیں خوب خوشیاں کی جائیں۔ اور فرمایا کہ بچہ، جوان، بوڑھا، مرد، عورت اپنی ہر حالت میں غرض سوسائٹی کا ہر فرد اس خوشی کی مجلس میں شریک ہو۔ اور اپنے دل کے ان جذبات وعواطف کو صیقل کرے جو اسوقت تک صیقل ہو ہی نہیں سکتے جبتک کہ انسان خوشی کی حالتیں بھی اپنے اُوپر طاری نہ کرے۔ لیکن کیا اس مجلس کو محض لہو ولعب کا موقعہ بنا کر چھوڑ دیا گیا۔ نہیں بلکہ دن کی پنجگانہ نمازوں میں ایک اور نماز کی زیادتی کر کے اسے محض جسمانیت سے بچا دیا۔ اب دیکھو انسان کو ضرورت تھی

کہ وہ اپنے فکری اور عملی جلا کیلئے خوشیاں کرے۔ تو اسکے لئے یہی نہیں کہا کہ خوشی کی مجلسیں منعقد کرلیا کرو۔ بلکہ سال میں خوشی کی دو مجلسیں خود مقرر کر دیں۔ اور انکو مذہبی اہمیت دیکر کاملیت کی راہ پر لے آیا۔ یہی حال دوسری مجالس کا ہے۔

اسلام آسمانی بادشاہت کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس سلطنت الٰہی کیلئے ہر قابلیت اور ہر علم کے لوگ درکار تھے اور اسلامی مجالس کی غرض یہی تھی۔ کہ ہر قسم کے لوگ پیدا کئے جائیں۔ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ اسلامیوں نے ربع صدی کے اندر اندر ربع مسکون کی رُوحانی، اخلاقی، تمدنی، اور سیاسی کا یا پلٹ ڈالی۔ ظلمت کی جگہ نور، اور تاریکی کی جگہ روشنی نے لے لی۔ کیا یہ یونہی ہو گیا تھا۔ کیا دنیا کے گرے ہُوئے نفوس، اور بے نور روحیں بغیر اسکے جو انہیں تعلیم و تربیت کی مجالس کے ہر شعبہ میں کامل ترین اسباق دیئے گئے یونہی بلند و بالا، سورج کی طرح ضو فشاں، اور کاملیت کے تمام پہلو رکھنے والی بن گئی۔ اور یہ تمام تر کاملیت بغیر کامل ترین مجالس میں شمولیت کئے ہی حاصل کر لی گئی۔ نہیں! یہ سب کچھ ظاہری طور پر اسلئے ہُوا کہ اسلامی مجالس کامل تھیں اور انکی کاملیت ہی نے ایسی کامل ترین وجود پیدا کئے تھے

تیسری خصوصیت اسلامی مجالس کی یہ ہے کہ اُنکے ہر نقش میں روحانیت کا آب و رنگ بھر اگیا ہے اور اس خصوصیت کو نام دینے کیلئے ہم اخلاقیت کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں۔ اسلامی مجالس کی یہ شان تھی، کہ انمیں دُنیا کے تمام شعبوں پر اظہار خیال ہوتا تھا۔ ہر نوع کے خیال زیر بحث آتے تھے اور تمام حالات، مشاہدات اور کیفیات بیان ہوتی تھیں جنکا تعلق اس مادی دُنیا اور ماورائے عالم مادی سے ہے۔ اور پھر دُنیا کے معاملات کو سلجھایا جاتا تھا تمدنی، عمرانی، سیاسی اور اقتصادی مسائل پر بحث ہوتی تھی، لیکن ایک مقصد ایک مدعا، ایک آرزو اور ایک خواہش کسی وقت اور کسی آن میں بھی نظر انداز نہیں ہوتی تھی۔ وہ مقصد، وہ مدعا۔ وہ آرزو اور وہ خواہش کیا تھی، یہی کہ دنیا پاکیزگی کا گھر بن جائے، بدیوں سے نجات ہو، خدا سے وصال ہو، تاریکی کی جگہ نور، بدی کی جگہ نیکی، اور برائی کی جگہ بھلائی لے لے۔ اسلامی مجالس اس شان کی مظہر تھیں، دست بکار دل بیار، آؤ! اسلامی مجالس کی تاریخ پر ایک نظر کریں، جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی تعمیل میں کوہ صفا پر چڑھکر سب کو پکارا تو جانتے ہو اسلام کے اس سب سے پہلے عام اجلاس میں کس چیز کو پیش کیا گیا تھا؟ وہ بات یہی تھی کہ لوگ ایمان باللہ کی طرف متوجہ ہوں پھر وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کے ارشاد کی تعمیل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے ایک دعوت کا انتظام فرمایا، اور اسمیں اپنے خاندان کو بلایا۔ اس مجلس کی بھی یہی غرض تھی۔ کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلایا جائے پھر قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو پلٹنے اور ان کی جگہ نیا اسلامی نظام قائم کرنیکی تجاویز سوچی گئیں، تو وہ بھی اسی لئے کہ خدا کا جلال حقیقی طور پر ظاہر ہو۔ یہود اور کفارِ عرب سے معاہدے کئے گئے۔ حدیبیہ کی صلح ہوئی، جنگی کونسلیں بنائی گئیں، نمازوں کے بعد مسجدوں ہی میں نبوی دربار قائم ہوتے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ کیا کسی نفسانی غرض کیلئے؟ کسی ذاتی فائدہ کو مدنظر رکھکر؟ ...نہیں! بلکہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا تاکہ خدا کا نام بلند ہو، اور پچھلے اور تازہ روحانی، اخلاقی اور تمدنی انقلاب برپا ہوں۔ (باقی)

وصیتیں

نمبر ۵۱۹۳:- منکہ رفیقہ بیگم زوجہ چوہدری غلام اللہ صاحب قوم جٹ باجوہ عمر ۲۶ سال پیدائشی احمدی ساکن چک ۵۵/۲-۷ محمود پور ضلع منٹگمری حال پراسپکٹ کاٹیج چکر بالوگنج شملہ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۷/۸/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اسوقت میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ زیورات طلائی۔ ہار وزن چار تولہ قیمتی -/۱۴۵ (۲) آویزے ایک جوڑی قیمتی -/۳۰ (۳) آویزہ شکستہ قیمتی -/۵ پیہ (۴) انگوٹھیاں دو عدد قیمتی -/۲۷ (۵) ساڑھی پن قیمتی -/۳۰ پس کل زیورات کی قیمت مبلغ دوصد سینتیس روپے ہے (۲) گھڑی قیمتی -/۴۵ (۳) میرا حق مہر مبلغ ایک ہزار روپیہ جو میرے شوہر چوہدری غلام اللہ صاحب کے ذمہ واجب الادا ہے۔ میں اپنی اس جائیداد قیمتی مبلغ بارہ صد بیاسی -/۱۲۸۲ (جس کی تفصیل اوپر دی گئی ہے) کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ بھی جو میری جائداد بوقت وفات ثابت ہوگی۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ مالک ہوگی۔ الامۃ رفیقہ بیگم۔ گواہ شد مشتاق احمد حسن منزل دار الفضل قادیان۔ حالوارد شملہ۔ گواہ شد۔ غلام اللہ خاوند موصیہ ریلوے بورڈ شملہ۔

نمبر ۵۱۱۵:- منکہ غلام سرور ولد چوہدری موسے خاں قوم جٹ مہار پیشہ ملازمت عمر ۲۸ سال تاریخ بیعت ۱۲/۹/۳۰ ساکن گلہ مہاراں ڈاکخانہ بدوملی ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲/۶/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری اسوقت کوئی جائیداد نہیں۔ میرا گذارہ صرف تنخواہ پر ہے جو کہ مبلغ ۱۸/- روپے ماہوار احمد آباد سنڈیکیٹ قادیان سے ملتی ہے۔ اسکے ۱/۹ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر میرے مرنے کے بعد میری کوئی جائداد ثابت ہو تو اسکے بھی ۱/۹ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کوئی رقم داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرادوں تو وہ منہا کر دیجائیگی۔ العبد:۔ غلام سرور حال احمد آباد اسٹیٹ ڈاکخانہ نبی سر روڈ ضلع تھرپارکر سندھ۔ گواہ شد:۔ سید علی اصغر موصی ۱۴۶۱۔ گواہ شد غلام مصطفٰے برادر موصی نشان انگوٹھا

نمبر ۵۱۸۹:- منکہ اقبال بیگم زوجہ بشیر محمد قوم کشمیری ملک عمر ۳۲ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۶ء ساکن لاہور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۵/۷/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد اسوقت حسب ذیل ہے جسکی رقم چار ہزار روپیہ بنتی ہے۔ ایک قطعہ سفید زمین اندرون موچی دروازہ نواں محلہ برلب سڑک جو میرے شوہر کے مکان سے ملحق ہے مالیتی ایک ہزار روپیہ۔ ایک قطعہ زمین دس مرلے چھ فٹ واقعہ اسلامیہ پارک نزد چوبرجی لاہور مالیتی

ایک ہزار روپیہ اور میرا مہر دو ہزار روپیہ جو میرے شوہر کے ذمہ ہے اس وقت نسقید زمین کا کرایہ چھ روپے ماہوار آتا ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی رہونگی۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتی ہوں کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کروں تو اسی قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ الامۃ اقبال بیگم بقلم خود۔ گواہ شد:۔ محمد صادق۔ گواہ شد:۔ سلطان احمد منہاس دار الفضل قادیان۔

نمبر ۵۱۹۱:۔ منکہ عبد الرحیم پراچہ ولد میاں محمد امین قوم پراچہ بابلی پیشہ تجارت عمر ۳۸ سال پیدائشی احمدی ساکن بھیرہ حال مقیم قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲/۸/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میں کاروباری ہوں میری ماہوار یا سالانہ آمدنی نہ مقرر ہے اور نہ اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ میرے گھر کے خرچے کا اندازہ کم و بیش -/۷۰۰ سالانہ ہے۔ میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ میری جو سالانہ آمدنی ہوگی میں اس کا ۱/۱۰ حصہ بحد وصیت داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کرتا رہونگا۔ نیز میرے مرنیکے بعد جو میری جائیداد یا ترکہ ثابت ہو۔ تو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی حقدار بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ عبد الرحیم پراچہ بقلم خود محلہ دار الرحمت حال وارد کمرشیل ہوٹس کوہ منصوری۔ گواہ شد:۔ سید فضل الرحمٰن فیضی امیر جماعت احمدیہ کوہ منصوری۔ گواہ شد:۔ عبد القدیر نیاز۔ دار الانوار قادیان حال وارد منصوری۔

نمبر ۵۱۹۲:۔ منکہ بشیر احمد ولد غلام احمد قوم جٹ مہار پیشہ ملازمت عمر ۲۳ سال پیدائشی احمدی ساکن چندر کے منگولے ڈاکخانہ خاص ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲/۵/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اسوقت کوئی نہیں۔ اسوقت میری ماہوار آمد پندرہ روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنیکے وقت میری جسقدر جائیداد ثابت ہو۔ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ بشیر احمد سپاہی ۹۲۶۹ کوئٹہ آرسنل گواہ شد:۔ مختار احمد ایاز امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ بلوچستان۔ گواہ شد:۔ محمد اسحاق عابد سیکرٹری وصایا جماعت احمدیہ کوئٹہ۔ گواہ شد:۔ بشیر احمد ایم۔ اے جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ کوئٹہ۔

نمبر ۵۱۸۷:۔ منکہ عنایت بیگم زوجہ شیخ مبارک علی قوم ککے زئی عمر ۴۴ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۳ء ساکن تھہ غلام نبی حال ملکپالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲/۵/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری اسوقت کوئی

Digitized by Khilafat Library

جائیداد منقولہ وغیر منقولہ نہیں ہے۔ میرا مہر مبلغ پانچ سو روپیہ ہے جس کے ۱/۸ حصہ کی میں وصیت کرتی ہوں اور یہ بھی وصیت کرتی ہوں کہ اگر بوقت وفات میری جائیداد ثابت ہو۔ تو اسکے ۱/۸ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر حصہ وصیت کردہ کی کوئی رقم داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کر کے رسید حاصل کر لوں تو حصہ وصیت کردہ سے وہ رقم منہا کر دی جائے گی۔ الامۃ۔ نشان انگوٹھا عنایت بیگم۔ گواہ شد مبارک علی خاوند موصیہ بقلم خود۔ گواہ شد۔ محمد الیٰسین بقلم خود ۞

نمبر ۵۱۸۸۔ منکہ محمد ابراہیم ناصر ولد مولوی فخر الدین صاحب پنشنر قوم قریشی پیشہ تبلیغ عمر ۲۶ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان حال بوڈاپسٹ (ہنگری)، بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۸/۳۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں میرا گذارہ ماہوار آمد پر ہے جو الاؤنس کی صورت میں دفتر تحریک جدید قادیان کی طرف سے ملتا ہے۔ موجودہ الاؤنس مبلغ ساٹھ روپے ہے جو کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے میں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنیکے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ مقررہ الاؤنس کے علاوہ اگر میں اس جگہ اپنی آمد کی کوئی صورت پیدا کرونگا تو اسکے ۱/۱۰ حصہ کو بھی انشاء اللہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کرتا رہونگا۔ العبد۔ محمد ابراہیم ناصر مبلغ سلسلہ احمدیہ بوڈاپسٹ (ہنگری)، گواہ شد مرزا مظفر احمد حال لنڈن گواہ شد۔ شیر علی عفی عنہ حال مسجد لنڈن۔

Digitized by Khilafat Library

نمبر ۵۱۲۸۔ منکہ محمد مطیع اللہ قریشی ولد صوبیدار محمد عبد اللہ صاحب بی۔اے قوم قریشی پیشہ طالبعلم عمر ۱۹ سال سات ماہ پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۸/۶/۳۸ ۱۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت میری جائیداد مبلغ ڈیڑھ صد روپیہ نقد اور سائیکل قیمتی چالیس روپیہ کا ہے کل جائیداد ۱۹۰/ روپے ہے میں اپنی مذکورہ بالا جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اسکے علاوہ میری کوئی جائیداد نہیں ہے کیونکہ بفضل خدا میرے والد صاحب زندہ ہیں ہیں چونکہ طالب علم ہوں اسلئے میری کوئی ماہوار آمدنی نہیں ہے۔ اگر تعلیم کے ختم ہونیکے بعد کوئی آمدنی خواہ جس طریقہ سے بھی ہوئی۔ تو اسکا بھی ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ میرے مرنیکے بعد اگر کوئی جائیداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی

العبد۔ محمد مطیع اللہ قریشی۔ گواہ شد۔ مرزا برکت علی احمدی کارکن صیغہ دعوۃ وتبلیغ قادیان شریف گواہ شد۔ اسد اللہ خان بقلم خود کارکن صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

نمبر ۵۱۶۹ :- منکہ سید محمد اقبال شاہ ولد ڈاکٹر سید ولایت شاہ صاحب قوم سید پیشہ ملازمت عمر ۴۲ سال پیدائشی احمدی ساکن نیروبی بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۶/۸/۳۸ ۱۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے اسوقت میری ذاتی جائیداد میرے نام پر کوئی نہیں ہے لیکن میرا گذارہ میری ماہوار آمد پر ہے۔ میری تنخواہ اسوقت -/۱۵۰ شلنگ ہے۔ اس کے علاوہ -/۵۰۰ میرے پاس نقد بھی ہے۔ اور میری شادی کے موقعہ پر ایک عدد طلائی انگوٹھی اور ایک عدد طلائی نکٹائی پن تحفۃً ملا تھا۔ اس کی قیمت اندازاً پچاس شلنگ ہوگی۔ میں اس تمام جائیداد کے ۱/۱۰ حصّہ کی وصیّت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز میں اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصّہ ماہوار ادا کرتا رہونگا۔ اسکے علاوہ اگر میری وفات پر کوئی اور جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو۔ تو اس کے ۱/۱۰ حصّہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اور اگر میں کوئی رقم صدر انجمن احمدیہ قادیان کو ادا کر کے رسید حاصل کر لوں تو یہ رقم حصّہ وصیّت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔

العبد:- سید محمد اقبال شاہ پورٹ بکس ۲۹۲ نیروبی۔ گواہ شد:- ملک محمد عثمان۔ گواہ شد محمد اکرم خان غوری سیکرٹری وصایا

نمبر ۵۲۰۷ :- منکہ مبارک علی ولد سلطان بخش صاحب قوم ککے زئی پیشہ تجارت عمر تقریباً ساٹھ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۱ء ساکن تھہ غلام نبی حال کپالہ ڈاکخانہ کہامہ ٹانگانیکا مشرقی افریقہ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۳/۳۸ ۱۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اسوقت حسب ذیل ہے (۱) تین عدد مکانات واقعہ کہامہ ٹانگانیکا مشرقی افریقہ جن کی قیمت اندازاً سات ہزار شلنگ ہے اس کے علاوہ نو کنال زمین واقعہ تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور اور ایک مکان خام واقعہ تھہ غلام نبی میں ہے لیکن یہ زمین اور مکان جو تھہ غلام نبی میں واقعہ ہیں رہن رکھی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ تجارتی مال میرے پاس ہے جس کی اندازاً قیمت تین ہزار شلنگ ہے۔ میں اپنی اس کل جائیداد کے ۱/۱۰ حصّہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اگر میں اس حصّہ وصیّت کردہ کی کوئی رقم وغیرہ داخل کروں تو وہ حصّہ وصیّت کردہ سے منہا کر دیجائیگی۔ نیز بوقت وفات جو بھی میرا ترکہ ثابت ہو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ تجارت سے جو آمد ہوتی ہے۔ وہ کوئی خاص معین نہیں۔ کم وبیش ہوتی رہتی ہے۔ جو بھی آمد ہوگی اسکے ۱/۱۰ حصہ کی بھی وصیت کرتا ہوں۔ جو کہ سال کے بعد حساب کرنیکے بعد ادا کر دیا کرونگا۔ العبد:- مبارک علی بقلم خود۔ گواہ شد:- سردار بشارت احمد۔ گواہ شد:- شیخ مبارک احمد مبلغ افریقہ ٹبورا۔

نمبر ۵۲۱۳ :- منکہ عائشہ بی بی زوجہ ڈاکٹر بشیر احمد احمدی قوم ارائیں عمر ۲۶ سال پیدائشی احمدی ساکن موضع بوبک

ڈاکخانہ ظفروال ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۹/۳۸ ۔۱۰ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں اسوقت میری کوئی جائیداد نہیں ۔ میرا زرمہر مبلغ پانصد روپیہ صرف ہے جو میرے خاوند کے ذمہ واجب الادا ہے میرے زیورات مالیتی ڈھائی صد روپیہ صرف /۲۵۰ تھے جو وہ بھی میرے خاوند کے پاس بطور قرض ہیں ۔ میں اس کل رقم یعنی /۷۵۰ روپے کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں ۔ اور میرے مرنیکے بعد میرا کوئی ترکہ مندرجہ بالا جائیداد کے علاوہ ثابت ہو ۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ اگر مَیں اس حصہ وصیت کردہ کے طور پر کوئی رقم داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کردوں تو وہ رقم حصہ وصیت کردہ سے منہا کردیجائیگی ۔ الامۃ عائشہ بی بی بقلم خود ۔ گواہ شد ۔ ڈاکٹر بشیر احمد میڈیکل آفیسر بقلم خود حیدرآباد ضلع میانوالی ۔ گواہ شد :۔ محمد احمد مجاہد تحریک جدید ؛

نمبر ۵۱۸۶ :۔ منکہ عائشہ بی بی زوجہ عبدالقادر قوم شیخ عمر ۳۲ سال تاریخ بیعت دس سال ساکن سنگرور ڈاکخانہ تحصیل وضلع ریاست جیند بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۸/۳۸ ۱۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں اسوقت میری جائیداد ایک منزل مکان سکنی مالیت چہار صد روپیہ کا بمقام سنگرور ریاست جیند موجود ہے ۔ اسکے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں ۔ اسکے علاوہ اور جائیداد پیدا کرسکوں یا میرے مرنیکے بعد اسکے علاوہ جائداد نکلے تو اسکی بھی ۱/۱۰ حصے کی وصیت کرتی ہوں ۔ اور جائیداد مندرجہ بالا کی رقم مبلغ /۴۰ روپے نقد حوالہ جناب محاسب صاحب انجمن احمدیہ سنگرور ریاست جیند کرتی ہوں ۔ وہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کراکر مجھے رسید دیدینگے ۔ الامۃ عائشہ بی بی بیوہ عبدالقادر مرحوم ۔ گواہ شد شیخ غلام رسول برادر موصیہ بقلم خود ۔ گواہ شد :۔ رشید احمد ؛

نمبر ۵۱۹۶ :۔ منکہ امیر بیگم زوجہ ڈاکٹر سید ولایت شاہ صاحب قوم سید فاروقی عمر ۴۴ سال تاریخ بیعت یکم جنوری ۱۹۱۴ء ساکن میراں پنڈی ڈاکخانہ سمبڑیال ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۹/۳۸ ۳ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں ۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے ۔ ایک جوڑی کڑے وزن ۱۵ تولے قیمتی ۔ /۱۲/ ۳۶۳ ۔ ایک جوڑی کانٹے وزن چار ماشے ۲ رتی ۔ /۱۲/ ۱۲ کل ۔ /۸/ ۳۷۶ ۔ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ وصیت کرتی ہوں ۔ اسکے علاوہ میری اور جائداد جو بوقت وفات ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ کروں تو اسقدر روپیہ وصیت کی رقم سے منہا سمجھا جائیگا ۔ میں اپنا مہر وصول کرکے سب کا سب چندہ میں دیچکی ہوں ۔ الامۃ ۔ امیر بیگم ۔ گواہ شد :۔ نصیر احمد شاہ پسر موصیہ دارالرحمت قادیان ۔ گواہ شد :۔ ولایت شاہ سب اسسٹنٹ سرجن خاوند موصیہ

قادیان کا قدیمی مشہور عالم بے نظیر تحفہ

سرمہ نور رجسٹرڈ

دُنیا میں اسی سُرمہ نور سرموں کے سرتاج کی دُھوم مچ رہی ہے

ڈاکٹر، اطباء، رؤساء، امراء کو گرویدہ اور گاہکوں کو مجسم اشتہار بنا رہا ہے۔ جُملہ امراضِ چشم میں بیحد مفید اور بے ضرر ثابت ہو چکا ہے۔ تاثیر اور فوائد کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ نظر کو بڑھاپے تک قائم رکھنے میں بے نظیر ہے۔

قیمت فی تولہ دو روپیہ۔ چھ ماشہ ایک روپیہ

ملنے کا پتہ: شفاخانہ رفیق حیات متصل منارۃ المسیح قادیان پنجاب

امرت بُوٹی رجسٹرڈ گورنمنٹ آف انڈیا

امرت بوٹی کے استعمال کرنے سے کمزور سے کمزور انسان مضبوط اور طاقتور ہو جاتا ہے۔ امرت بُوٹی تمام بے احتیاطیوں کیلئے زبردست اکسیر ہے۔ امرت بُوٹی بوڑھوں اور کمزوروں کو طاقت بخشتی ہے۔ امرت بُوٹی مردانہ کمزوریوں اور کثرت پیشاب۔ کمزوری مثانہ۔ ذیابیطس وغیرہ کا نام ونشان مٹا دیتی ہے۔ علاوہ ازیں امرت بُوٹی کے استعمال کرنے سے معدہ۔ دل۔ جگر۔ دماغ قوی اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔ ایسے نوجوان جو دُبلے پتلے۔ کمزور رہتے ہوں۔ ان کے لئے ایک بہترین اکسیر ہے۔ قیمت ۵۰ گولی کی شیشی عہ۔ ۱۰۰ گولی معہ برقی مالش ۱۲؏

پائرس ٹوتھ پاؤڈر اینڈ پائرس لوشن۔ پائیریا۔ ماسخورہ و دیگر جملہ امراض دندان کے لئے یہ دونوں اکسیریں بہت مفید اور سالہا سال کی مجرب ہیں۔ قیمت ہر دو اکسیرات صرف عہ

ملنے کا پتہ: مینیجر احمدیہ یونان فارمیسی رجسٹرڈ جالندھر کینٹ پنجاب

قرص محافظِ نسل

یہ قرص اسقاط حمل کو روکنے کے لئے اکسیر ثابت ہو چکے ہیں
حمل کو برقرار رکھنے کے علاوہ دورانِ حمل میں اسکے استعمال سے بچہّ
ذہین خوبصورت اور تندرست پیدا ہوتا ہے۔ اور جملہ بیماریوں مثلاً
مسان۔ اُمّ الصبیان وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔ ہزاروں خاندان جنکے
ہاں مُردہ بچےّ پیدا ہوتے تھے' یا چند ماہ کے بعد فوت ہوجاتے تھے'
اسکے استعمال سے اولاد کی نعمت سے مالامال ہو گئے۔ استقرارِ حمل
سے وضع حمل تک یہ قرص حاملہ استعمال کرے۔ بچہّ کی پیدائش
سے دُودھ پلانیکے زمانہ تک بچہّ کو بھی استعمال کرائیں۔ پرچہ ترکیبِ
استعمال ہمراہ ہوگا ؂

Digitized by Khilafat Library

قیمت فی شیشی ۶۰ گولی عہ مکمل خوراک کی قیمت مبلغ ۱۱ روپے

ملنے کا پتہ

ویدک یونانی دواخانہ لمیٹڈ

زینت محل لال کنواں۔ دہلی

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

Digitized by Khilafat Library

بخاری شریف مترجم

جو نہایت اہتمام کیساتھ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی طرف سے پارہ بہ پارہ چھپ رہی ہے، اور جسکی قبولیت اور صحت کا یہ عالم ہے کہ جو دیکھتا ہے اس کی خوبی کا اقرار کرتا ہے حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی ایک نہایت قابل قدر خدمت ہے۔ اس کا پہلا پارہ چھپکر تیار ہو چکا ہے، اور دُوسرا زیر طبع ہے جو چند روز تک تیار ہو جائیگا پہلا پارہ نہایت قلیل تعداد میں باقی رہ گیا ہے۔ لہٰذا جو دوست مستقل خریدار بننا چاہتے ہیں، جلد از جلد پہلا پارہ خرید لیں۔ اور اپنے نام اور مکمل پتے سے مطلع فرمائیں۔ تا جونہی کوئی پارہ چھپے اُن کی خدمت میں ارسال کر دیا جایا کرے نیز احباب کا فرض ہے کہ اس بے نظیر چیز سے ہر ایک دوست کو آگاہ فرمالیں تا کوئی بھائی عدم علم کی وجہ سے اس سے محروم نہ رہے۔

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل نئی کتابیں تیار ہو چکی ہیں جنکی لکھائی چھپائی دیدہ زیب ہے۔

لیکچر لاہور	قیمت ۲ر	مسلم حقوق اور ہندو راجیہ	قیمت ۶ر
شہادۃ القرآن	قیمت ۶ر	مسائل مترجم	قیمت ۸ر

خاکسار محمد اشرف مینیجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان